الرسالہ

سرپرست
مولانا وحید الدین خاں

اسلام یہ ہے کہ ـــــ آدمی اللہ سے ڈرے ، اور
دوسروں کے لئے وہی پسند کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے

شمارہ ۳۳
اگست ۱۹۷۹

زر تعاون سالانہ ۲۴ روپے
خصوصی تعاون سالانہ ایک سو روپے
بیرونی ممالک سے ۱۵ ڈالر امریکی

قیمت فی پرچہ
۲ دو روپے

شمارہ ۳۳ اگست ۱۹۷۹

جمعیۃ بلڈنگ □ قاسم جان اسٹریٹ □ دہلی- 110006

ایک مشہور مصنف کا واقعہ ہے۔ اس نے ایک ناول لکھا۔ یہ ناول غیر معمولی طور پر ضخیم تھا۔ اس کو دیکھ کر اس کے ایک دوست نے کہا ——— "اف اتنا لمبا ناول، اس کو لکھتے لکھتے تم اکتا نہیں گئے"۔ ناول نگار نے فوراً جواب دیا:

"ہرگز نہیں۔ میری توجہ ہمیشہ اگلے پیراگراف پر مرتکز رہتی تھی"

زندگی بھی اسی قسم کی ایک طویل اکتا دینے والی کہانی ہے جو ہماری کامیابیوں اور ناکامیوں کے واقعات کے ساتھ ہر آن لکھی جا رہی ہے۔ اس طویل اور خشک کہانی سے مسلسل دل چسپی باقی رکھنے کی واحد صورت یہ ہے کہ آدمی کی توجہ ہمیشہ کہانی کے اگلے پیراگراف پر جمی رہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایک صاحب نے کہا "اب ہم اپنی طاقت کو استعمال کر کے اپنا مسئلہ حل کریں گے"، میں نے کہا کہ اس قسم کے الفاظ محض الفاظ ہیں جن کے کوئی معنی نہیں۔ کیوں کہ استعمال سے پہلے صلاحیتِ استعمال درکار ہوتی ہے اور وہ ہمارے اندر موجود نہیں۔ کوئی عملی منصوبہ پہلے ایک موافق زمین چاہتا ہے۔ موجودہ حالات میں سب سے پہلا کام یہ ہے کہ مسلمانوں میں آپس کی لڑائی ختم ہو کر اتحاد پیدا ہو۔ جہالت کی جگہ تعلیم بڑھے۔ جذباتیت کے بدلے حقیقت پسندی آئے۔ انتشار ختم ہو کر اطاعت کا جذبہ پیدا ہو۔ بے صبری کے بجائے لوگ برداشت کرنے والے بن جائیں۔ یہ چیزیں قوم کے اندر ایک درجہ میں آجائیں۔ اس کے بعد ہی کوئی عملی منصوبہ کامیاب ہو سکتا ہے۔ ضروری حد تک یہ اوصاف پیدا کئے بغیر اقدام کا منصوبہ بنانا ایسا ہی ہے جیسے پل بننے سے پہلے کار کو دوڑا دینا۔

"اس انداز میں سوچنے والے اور کتنے لوگ ہیں" انھوں نے کہا۔ میں نے کہا کہ یہی تو مسئلہ ہے۔ فی الحال ایسے لوگ ضروری مقدار سے بہت کم ہیں اس لئے ہم کو پہلی کوشش اسی کی کرنی ہے۔ پھر میں نے بے تکلفی کے انداز میں کہا "الرسالہ میں اسی مزاج کو پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ مگر آپ لوگ اس کی اشاعت کو بڑھانے کے لئے تعاون نہیں کرتے"۔

"آپ نے بھی کہاں کی بات کہاں جوڑ دی" انھوں نے کہا۔ مطلب یہ کہ کہاں اتنا بڑا عالمی مسئلہ اور کہاں الرسالہ۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری ناکامی کی سب سے بڑی وجہ ہمارا یہی مزاج ہے آغاز جب بھی ہوگا چھوٹا ہوگا۔ مگر ہم "چھوٹے آغاز" سے شروع کرنا نہیں چاہتے اس لئے ہم آغاز بھی نہیں کر پاتے۔

مطالعۂ قرآن :

ترجمہ وتفسیر

زیر نظر شمارہ سے ایک نیا سلسلہ شروع کیا جارہا ہے۔ یہ قرآن کے ترجمہ وتفسیر کا سلسلہ ہے۔ یہ موجودہ شکل میں انشاء اللہ مسلسل جاری رہے گا اور بعد کو اصل متن کے ساتھ دو یا زیادہ جلدوں میں شائع کردیا جائے گا۔

ترجمہ نہ پوری طرح لفظی ہے اور نہ پوری طرح با محاورہ۔ بلکہ درمیان کی ایک صورت اختیار کی گئی ہے تاکہ دونوں پہلوؤں کی رعایت شامل رہے۔

تفسیر میں حتی الامکان تفصیلات سے اجتناب کیا جائے گا۔ زیادہ تر جو چیز پیش نظر رکھی گئی ہے وہ یہ کہ قرآن کی فطری سادگی اس کی تفسیر میں باقی رہے۔ قرآن ایک طرف خدا کے جلال کا اظہار ہے اور دوسری طرف انسان کی عبدیت کا آئینہ ہے۔ تفسیر میں بس انھیں پہلوؤں کو غیر فنی انداز میں نمایاں کرنا ہمارا مقصود ہوگا

اسلوب یہ رکھا گیا ہے کہ ہر صفحہ بذات خود مکمل ہو۔ ہر صفحہ کے اوپر قرآن کے کسی ٹکڑے (پیراگراف) کا ترجمہ ہوگا جس کے آخر میں آیت نمبر درج ہوگا۔ اس کے بعد ایک لکیر دے کر نیچے کی سطروں میں سادہ انداز میں اس کی تشریح ہوگی۔

الرسالہ کی ہر اشاعت کے درمیانی صفحات میں یہ تفسیر شامل ہوگی۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہر شمارہ میں کم از کم ۸ صفحات تفسیر کے شامل کئے جائیں۔ تاہم اگر قارئین چاہیں گے تو اس مقدار میں تبدیلی کی جاسکتی ہے۔

قارئین سے گزارش ہے کہ اس کو دیکھنے کے بعد اپنی آراء سے مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ اس سے استفادہ کیا جاسکے۔

ابتدائی تیاریوں سے پہلے آگے کا کام نہیں کیا جاسکتا

جارج برنارڈ شا انگریزی زبان کا مشہور ادیب اور مفکر ہے۔ اس نے شیکسپیر سے اپنا مقابلہ کرتے ہوئے کہا ہے:

He was a much taller man than me. But I stand on his shoulders.

وہ مجھ سے بہت زیادہ لمبا انسان تھا مگر میں اس کے کندھے پر کھڑا ہوا ہوں۔ برنارڈ شا، شیکسپیر کے مرنے کے تقریباً ڈھائی سو سال بعد ۱۸۵۶ میں پیدا ہوا۔ شیکسپیر (۱۶۱۶ — ۱۵۶۴) نے اپنے زمانہ میں انگریزی زبان کو جہاں پایا تھا اس پر اس نے اپنی کوششوں سے مزید اضافہ کیا۔ حتیٰ کہ اس کو ترقی کے ایک نئے مرحلہ میں پہنچا دیا۔ شیکسپیر کے بعد سیکڑوں اہل قلم پیدا ہوئے جو اس کو مزید آگے بڑھاتے رہے۔ یہاں تک کہ زبان اس اعلیٰ ترقی یافتہ مرحلہ تک پہنچ گئی جہاں سے برنارڈ شا کو موقع ملا کہ وہ اپنی قلمی جدوجہد کا آغاز کرے۔ برنارڈ شا کے پیش رووں نے اگر اس کے لئے "کندھا" فراہم نہ کیا ہوتا تو برنارڈ شا کے لئے ناممکن تھا کہ وہ ادبی ترقی کے اس بلند مقام پر پہنچے جہاں وہ اپنی کوششوں سے پہنچا۔

یہی اصول زندگی کے تمام معاملات میں جاری ہے۔ پچھلے لوگ جب ابتدائی منزلیں طے کر چکے ہوں، اسی وقت یہ ممکن ہے کہ بعد کے لوگ آگے کی منزلوں پر اپنا سفر جاری کریں۔ اگر پچھلے لوگوں نے اپنے حصہ کا کام نہ کیا ہو تو آگے آنے والوں کو آگے کے بجائے پیچھے سے اپنا سفر شروع کرنا پڑے گا۔ کیونکہ سفر ہمیشہ وہاں سے شروع ہوتا ہے جہاں آپ کھڑے ہوئے ہوں، نہ کہ وہاں سے جہاں آپ پہنچنا چاہتے ہیں۔ جس مکان کے نیچے کی دیواریں ابھی تیار نہ ہوئی ہوں اس مکان کی بالائی منزلیں کس چیز کے اوپر کھڑی کی جائیں گی۔

جو قوم ایک ایسے ماضی کی وارث ہو جس نے وراثت میں اپنی اگلی نسلوں کو صرف رومانی شاعری اور پر جوش تقریریں دی ہوں۔ جو غیر پختہ اقدامات کے نتیجہ میں بربادیوں سے دوچار ہوتی رہی ہو۔ جو جذباتی خوش فہمیوں کی غذا کھاتے کھاتے حقیقت پسندی کا مزاج کھو بیٹھی ہو۔ جس نے ابتدائی استحکام سے پہلے سیاست بازی میں ٹکرا کر اپنے مواقع کو ضائع کیا ہو۔ جو اپنی ہنگامہ آرائیوں کی وجہ سے تعلیم، صنعت، تجارت اور زمانی شعور میں تمام قوموں سے پیچھے ہو گئی ہو۔ جو مطالباتی مہموں اور احتجاجی سیاستوں میں یہ بھول گئی ہو کہ مانگنے سے پہلے منوانے کی طاقت پیدا کرنا ضروری ہے۔ ایسی پچھڑی ہوئی قوم کی اگلی نسلیں آگے کی منزل سے اپنا سفر شروع نہیں کر سکتیں۔ ان کو لامحالہ وہاں سے چلنا پڑے گا جہاں سے ان کے باپ دادا نے اپنے راستہ کو چھوڑا تھا۔ ایسے لوگ اگر دوبارہ لفظوں کی اسی بہادری میں مشغول ہو جائیں جس میں ان کے پیش رو مشغول تھے تو یہ صرف اس وقت کو مزید ضائع کرنے کے ہم معنی ہوگا جس کو ان کے باپ دادا بہت بڑی مقدار میں ضائع کر چکے ہیں۔ عملی نتیجہ صرف عملی کاموں کے ذریعہ پیدا کیا جا سکتا ہے۔ الفاظ کی کھیتی سے عمل کی فصل کاٹی نہیں جا سکتی۔ قدرت کو ایک درخت اگانا ہوتا ہے تو وہ بیج سے اپنا عمل شروع کرتی ہے۔ یہ قدرت کی طرف سے انسان کے لئے ایک خاموش سبق ہے ——— "بیج سے چل کر کوئی بھی شخص "درخت" تک پہنچ سکتا ہے۔ مگر درخت سے چل کر درخت تک پہنچنا چاہیں تو ایسا واقعہ اس زمین پر کبھی نہیں ہوگا

غیر دینی کام پر دینی کام کا کریڈٹ لینا

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ○ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ (آل عمران ۸۸-۱۸۷)

اور جب اللہ نے اہل کتاب سے عہد لیا کہ تم اس کو لوگوں کے سامنے بیان کروگے اور اس کو نہ چھپاؤ گے۔ پھر انھوں نے اس عہد کو پس پشت ڈال دیا اور اس کے بدلہ میں مول لے لیا تھوڑا۔ کیسی بری چیز ہے جس کو وہ لے رہے ہیں۔ جو لوگ اپنے اس کام پر خوش ہیں اور چاہتے ہیں کہ بن کئے پر ان کی تعریف ہو، ان کو مت سمجھو کہ وہ عذاب سے بچاؤ میں رہیں گے اور ان کو دردناک سزا ہوگی۔

"بن کئے پر تعریف چاہنا" سے مراد ہے غیر دینی کام پر دینی کام کا کریڈٹ لینا۔ قومی اور دنیوی محرکات کے تحت سرگرمی دکھانا اور اس کے حق میں کتاب الٰہی کے حوالے اس طرح پیش کرنا گویا یہ سب کچھ دین خداوندی کے احیاء کے لئے کیا جا رہا ہے۔ اس طرح کا مظاہرہ کرنے والے اس خوش گمانی میں مبتلا نہ ہوں کہ وہ خدا کے یہاں دین داری کا انعام پائیں گے اور ان کو بے دینوں کے زمرہ میں شامل نہ کیا جائے گا۔ ان کے نمائشی کام ان کو خدا کی پکڑ سے بچانے والے ثابت نہیں ہوسکتے۔

ان آیتوں میں یہود کے کردار پر تنقید ہے۔ یہود نے اپنی مذہبی کتاب تورات کو ترک نہیں کیا تھا اور نہ اس کے تذکرہ کو چھوڑ رکھا تھا۔ ان کے یہاں تورات پڑھنے پڑھانے کا رواج تھا۔ اپنی تقریبات اور رسوم کو وہ مذہبی انداز سے انجام دیتے تھے۔ نبیوں اور بزرگوں کے قصے بے شمار تعداد میں ان کے درمیان پھیلے ہوئے تھے۔ مذہبی علماء کثرت سے ان کے درمیان موجود تھے۔ وہ جو کچھ کر رہے تھے سب دین یہود کے نام پر کر رہے تھے۔ حتیٰ کہ اپنے دنیوی اور قومی کاموں کے ذیل میں بھی کتب مقدسہ کے حوالے دیتے تھے۔ مگر باعتبار حقیقت یہ دین یہود کا استحصال تھا نہ کہ اس پر عمل کرنا۔ تورات کی حیثیت ان کے نزدیک رہنما کتاب کی نہیں رہ گئی تھی۔ بلکہ وہ ایک ایسی کتاب تھی جو ان کے لئے فخر کا نشان ہو اور ان کی قومی سرگرمیوں کو سند جواز عطا کرے۔

انھوں نے عقیدہ بنایا کہ اسرائیلی نسل کے تمام لوگ جنت میں جائیں گے اور اس کے لئے ان کو اپنے دین میں دلیل مل گئی (آل عمران) اپنی جاہلیت کی زندگی کے نتیجہ میں پیش آنے والے مصائب کی خاطر وہ قومی فنڈ قائم کرتے اور اس کی اہمیت ثابت کرنے کے لئے تورات کا حکم پیش کرتے (بقرہ ۸۵) وہ اپنے علماء اور بزرگوں کے پیچھے چلتے اور اپنی اس شخصیت پرستی کو خدا پرستی کا نام دے دیتے (توبہ ۳۱) حتیٰ کہ انھوں نے نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو ماننے سے انکار کیا اور اپنے کو برسر حق ثابت کرنے کے لئے تورات سے دلیل پیش کی (آل عمران ۱۸۳) یہودیوں کی صہیونی تحریک جو تمام تر قومی احیاء کی تحریک ہے، اس کے لئے بھی ان کو دلائل تورات ہی کے صفحات سے مل رہے ہیں۔ کیوں کہ ان کے

نزدیک یہ اس وعدہ الٰہی کو پانے کی کوشش ہے جو خداوند نے اپنی کتاب میں ان کے لئے لکھ دیا ہے۔ ــــ یہی وہ چیز ہے جس کو قرآن میں آیات اللہ کو دے کر "ثمن قلیل" لینا کہا گیا ہے۔ یعنی دنیوی سرگرمیوں اور قومی تحریکوں کے لئے آسمانی سند پیش کرنا، احیاء دین کا نام لینا اور احیاء قوم کے کام میں مشغول رہنا، اللہ کی کتاب کو پڑھنا پڑھانا مگر عملاً مقصود یہ ہونا کہ قوم کے اندر مذہبی قیادت حاصل ہو جائے۔

یہود کے سپرد جو مشن کیا گیا، وہ یہ تھا کہ وہ اللہ کی دی ہوئی کتاب کو اس کی اصل صورت میں لوگوں کے سامنے بیان کریں گے۔ وہ توحید کی تعلیمات سے دنیا والوں کو باخبر کریں گے۔ یہ وہی چیز تھی جس کو دعوت الی اللہ یا شہادت علی الناس کے نام سے امت محمدی پر فرض کیا گیا ہے۔ یہ ایک خالص اخروی کام ہے اور اس کو اخروی انداز ہی میں انجام دینا ہے۔ مگر یہود نے دعوت آخرت اور پیغام توحید کے مشن کو چھوڑ دیا۔ عام قوموں کی طرح انھوں نے ایک دنیادارانہ زندگی اختیار کر لی۔ البتہ اس کے ساتھ وہ تورات کا درس اس طرح دیتے رہے گویا کتاب اللہ کی رسی ان کے ہاتھ سے نہیں چھوٹی ہے۔ گویا وہ جو کچھ کر رہے ہیں عین خدا کے حکم کے تحت کر رہے ہیں۔ تورات کی تعلیمات کی انھوں نے ایسی تشریح و تعبیر کی جو ان کی اپنی خود ساختہ زندگی پر چسپاں ہوتی ہو اور اس کی تصدیق کر رہی ہو۔ انھوں نے تعمیل نفس کا کام کیا اور اس پر تعمیل خداوندی کا لیبل لگا دیا۔ انھوں نے قومی احیاء کی سرگرمیوں کو دینی احیاء کی سرگرمیوں کا مقام دے دیا۔ انھوں نے قیادتی عزائم کے تحت تحریکیں اٹھائیں اور ان کو یہ حیثیت دے دی گویا یہ سب خداوند عالم کا بول بالا کرنے کے لئے کیا جا رہا ہے۔ ایسے لوگ گویا ایک ایسے کام کا کریڈٹ لینا چاہتے ہیں جس کو انھوں نے حقیقۃً کیا نہیں۔ اس قسم کا دھوکا خدا کے یہاں نہیں چل سکتا۔ ان کے نمائشی کام ان کو خدا کے یہاں بچانے والے ثابت نہ ہوں گے۔ اپنی تمام خوش فہمیوں کے باوجود وہ اسی آگ کے عذاب میں ڈال دیئے جائیں گے جس کو وہ صرف دوسروں کے لئے سمجھتے تھے۔

دعوت حق کا کام خالص اخروی کام ہے۔ یہ کام صرف وہی گروہ انجام دے سکتا ہے جو آخرت کی سطح پر جی رہا ہو۔ جو لوگ خود اپنے لئے جنت اور جہنم کو سب سے بڑا مسئلہ بنائے ہوئے ہوں وہی محسوس کر سکتے ہیں کہ سب سے بڑا کام یہ ہے کہ لوگوں کو جنت اور جہنم کے مسئلہ سے آگاہ کیا جائے۔ کتاب آسمانی کے حامل گروہ پر جب زوال آتا ہے تو وہ دنیا کی سطح پر جینے لگتا ہے۔ اب دنیا کی عزت و ذلت اس کے لئے سب سے بڑی چیز بن جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ "انذار آخرت" کے کام کا محرک اس کے اندر باقی نہیں رہتا۔ اب وہ خدا کے دین کو اپنی دنیوی زندگی کی سطح پر اتار لاتا ہے۔ وہ اپنی قومی تحریکوں کو پیغمبرانہ تحریک کا عنوان دیتا ہے۔ وہ اپنے دنیوی مسائل کے لئے اٹھتا ہے اور اس کو آسمانی ہدایت کی اصطلاحات میں بیان کرتا ہے۔ وہ مادی مقاصد کے لئے ہنگامے کھڑے کرتا ہے اور اس کو خدا کی راہ میں جہاد کرنا بتاتا ہے۔ وہ اپنی لیڈری کو بچانے کے لئے اٹھتا ہے اور نعرہ یہ لگاتا ہے کہ "ملک و ملت کو بچاؤ" ــــ یہ سب گویا بن کئے پر کئے کی تعریف چاہنا ہے۔ مگر اس قسم کی کوشش کسی کو صرف سزا کا مستحق بناتی ہے نہ کہ انعام کا۔ (۱۳ جون ۱۹۷۹)

وہ جنت اور جہنم کا سرٹیفکٹ تقسیم کر رہے ہیں

"لوگ طاقتور سے دبتے ہیں اور کمزوروں کے اوپر شیر بنتے ہیں" ایک شخص نے کہا "پھر اللہ نے کمزوروں کو کیوں پیدا کیا۔ اس نے کیوں ایسے انسان پیدا کئے جن کے اوپر کتے بھونکیں اور بھیڑیئے جن کو اپنی شیطانی ہوس کا شکار بنائیں" دوسرے شخص نے جواب دیا "کمزور اس لئے پیدا کئے گئے ہیں تاکہ خدا ان کے ذریعہ سے لوگوں کے ایمان کو جانچے۔ جو لوگ دنیا میں کمزوروں پر رحم کرتے ہیں، خدا قیامت کے دن ان پر رحم کرے گا۔ جو لوگ کمزوروں پر ظلم کرتے ہیں، خدا ان پر غضب ناک ہوگا اور ان کو دائمی عذاب میں ڈال دے گا۔ کمزور لوگ خدا کے خاص بندے ہیں۔ وہ لوگوں کو جنت اور جہنم کا سرٹیفکٹ تقسیم کر رہے ہیں" (۲۴ جنوری ۱۹۷۹)

شریر کچلے جائیں گے

مالی نے ایک باغ لگایا۔ باغ میں کچھ شیشم اور چنار جیسے درخت تھے۔ وہ اپنے موٹے تنے اور پھیلی ہوئی شاخوں کے ساتھ زمین پر اس طرح جمے ہوئے تھے کہ ہاتھی بھی ان کو اپنی جگہ سے ہلا نہیں سکتا تھا۔ اسی کے ساتھ باغ میں کچھ پھولوں کی کیاریاں تھیں۔ یہاں مالی نے چھوٹے پودے لگا رکھے تھے۔ ان پودوں کے تنے کمزور تھے۔ ان کی شاخیں بہت نازک تھیں۔ دونوں قسم کے درخت بظاہر مختلف ہونے کے باوجود مالی کی اسکیم میں یکساں طور پر شامل تھے۔ وہ اپنے آپ نہیں اگ آئے تھے۔ بلکہ مالی نے ایک ایک پودے کو اپنی پسند کے تحت لگایا تھا۔ بعض مصلحتوں کی بنا پر اگر اس نے بھاری بھرکم درخت لگائے تھے تو بعض دوسری مصلحتوں کی خاطر اسی نے باغ کے کمزور پودوں کا انتخاب کیا تھا۔

کچھ شریر لوگ باغ کے اندر گھس آئے۔ انھوں نے مالی کو نہیں دیکھا۔ انھوں نے سمجھا کہ یہ ایک خالی باغ ہے اور یہاں وہ جو کچھ چاہیں کر سکتے ہیں۔ شیشم اور چنار کی قسم کے درختوں کا تو وہ کچھ بگاڑ نہیں سکتے تھے، اس لئے ان کو دیکھ کر وہ آگے بڑھ گئے۔ مگر پھولوں کے نرم و نازک پودوں کی بابت انھوں نے سمجھا کہ وہ ان پر قابو یافتہ ہیں۔ وہ ان کو اپنی شرارتوں کا تختہ مشق بنا سکتے ہیں۔ پودے نہ اپنا بچاؤ کر سکتے تھے اور نہ شریروں کا ہاتھ پکڑ سکتے تھے۔ انھوں نے سمجھا کہ ان کے اوپر ان کا کوئی سرپرست نہیں ہے۔ یہ شریر ان نازک پودوں کے اوپر ٹوٹ پڑے۔ انھوں نے کچھ پودوں کو جڑ سے اکھاڑا۔ کچھ کے پھول توڑ ڈالے۔ کچھ کی شاخوں اور پتیوں کو ویران کر دیا۔

وہ قہقہے لگا رہے تھے اور خوشیاں منا رہے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہم فاتح ہیں۔ ہم نے اپنی بڑائی قائم کر لی ہے۔ اتنے میں مالی اپنے تمام آدمیوں کے ساتھ باغ میں آپہنچا۔ "تم نے جو کچھ کیا ہے میرے پودوں کے ساتھ نہیں کیا بلکہ خود میرے ساتھ کیا ہے" وہ گرج دار آواز میں بولا "میرے ہاتھ کی لگائی ہوئی کلیوں کو مسل کر تم نے میری توہین کی ہے۔ آج میں تم کو تمھاری شرارت کا مزا چکھاؤں گا" یہ کہہ کر اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ ان میں سے ایک ایک شخص کو پکڑو اور ان کا سر توڑ ڈالو۔ "انھوں نے میرے کمزوروں پر رحم نہیں کیا اس لئے آج میں بھی ان پر رحم نہیں کروں گا" وہی شریر جو ایک لمحہ پہلے تک بہادر بنے ہوئے تھے۔ جن کے پاس الفاظ کا لامتناہی ذخیرہ موجود تھا۔ جو اپنی غلطی تسلیم کرنے کے لئے کسی قیمت پر تیار نہ تھے، اچانک

بالکل ڈھ پڑے۔ اب وہ معافی مانگ رہے تھے اور اپنے جرم کا اقرار کر رہے تھے۔ مگر وہاں کوئی نہ تھا جو ان کی فریاد کو سنے۔ وہ ذلت کی مار کھاتے رہے اور اپنے کیے کی سزا بھگتتے رہے (۸ جون ۱۹۶۹)

دنیا اور آخرت کی مثال بھی ایسی ہی ہے جیسے مالی اور باغ کی مثال۔ اللہ نے ایک بہترین دنیا بنائی۔ اس میں طرح طرح کے انسان پیدا کیے۔ کوئی طاقت ور کوئی کمزور۔ دونوں قسم کے انسان خدا کی تخلیق تھے۔ دونوں کو خدا نے اپنی حکمتوں اور مصلحتوں کے تحت بنایا تھا۔ ہر ایک کی جان و مال اور اس کی عزت و آبرو قابل احترام تھی۔ ہر ایک خدا کا حرم تھا۔ مگر شریروں کو یہاں خدا نظر نہ آیا، وہ سمجھے کہ یہ ایک خالی باغ ہے۔ اس کا کوئی مالک اور سرپرست نہیں۔ وہ طاقتور انسانوں کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے تھے۔ ان کو انھوں نے چھوڑ دیا۔ وہ اپنے کبر کی تسکین اور اپنے شرارتی منصوبوں کی تکمیل کے لئے کمزور انسانوں پر ٹوٹ پڑے۔ جو کمزور بھی ان کی زد میں آیا، اس کی پھلواری کو انھوں نے ویران کیا۔ اس پر ہر قسم کی بیہودگی کو اپنے لئے جائز کر لیا۔

شریر اپنے شیطانی مشغلوں میں مصروف تھے۔ وہ فاتحانہ قہقہے لگا رہے تھے کہ اچانک زمین و آسمان کا پردہ پھٹا۔ کائنات کا مالک اپنے تمام جلال و جبروت کے ساتھ سامنے آگیا اس کی آواز سے تمام مخلوقات سہم اٹھیں۔ شریر اس کو دیکھتے ہی گھٹنوں کے بل گر پڑے۔ وہ رو رہے تھے اور معافی مانگ رہے تھے مگر خدا ان کے اوپر اتنا غضب ناک تھا کہ اس نے ان کی طرف دیکھا بھی نہیں۔ ان میں بدنام قسم کے ڈاکو اور سرکش بھی تھے اور وہ بھی تھے جو دنیا میں مذہب کی گدیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ جو اخلاق اور انسانیت کے چیمپئن بنے ہوئے تھے۔ جو "ملک و قوم" کے ناخدا کہے جاتے تھے۔ مگر خدا سب پر یکساں غضب ناک تھا۔ کیوں کہ ہر ایک نے دنیا میں گھمنڈ کیا تھا۔ ہر ایک نے خدا کی ننھی کلیوں کو مسلا تھا۔ خدا نے حکم دیا کہ ان سب کو ایک زنجیر میں باندھو اور ان کو ابدی محرومی کے گڑھے میں دھکیل دو۔ وہ چیختے رہے اور فریاد کرتے رہے۔ مگر وہاں کوئی نہ تھا جو ان کی فریاد کو سنے۔ خدا کے فرشتوں کے ہاتھوں زیر کر کے وہ رسوائی اور ناکامی کے اس گڑھے میں پہنچا دیے گئے جو خدا نے سرکشوں اور متکبروں کے لئے پہلے سے بنا رکھی تھی۔

کسی درخت کی پتی، اس کا پھول اور اس کا پھل درخت کا سب سے زیادہ کمزور حصہ ہوتے ہیں۔ مگر ایک شخص جب پتیوں کے حسن، پھولوں کی رنگ کاری اور پھلوں کی لطافت پر غور کرتا ہے تو اس کو محسوس ہوتا ہے کہ درخت کے یہ نرم و نازک حصے اس کے مضبوط تنے اور شاخوں سے زیادہ قدرت کی توجہ کا مستحق رہے ہیں۔ یہ خدا کی خاموش دنیا کا ایک اشارہ ہے جو بتاتا ہے کہ انسان سے خدا کو کیا مطلوب ہے ——— لوگ طاقتور "تنوں" پر اپنے حسن سلوک کا ثبوت دے رہے ہیں۔ حالانکہ ان کا خدا ان سے "پھولوں" اور "پتیوں" کی سطح پر حسن سلوک کا نذرانہ مانگ رہا ہے۔ لوگ "بڑوں" کا استقبال کر کے اپنی شرافت اور انسانیت کا مظاہرہ کر رہے ہیں، حالاں کہ خدا جہاں ان کی شرافت اور انسانیت کو دیکھنے کا منتظر ہے وہ اس کے وہ بندے ہیں جن کو "چھوٹا" سمجھ کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ لوگ شہرت کے مواقع پر پیسہ دے کر فیاضی کا ٹائٹل لے رہے ہیں۔ حالاں کہ خدا کے یہاں فیاضی کا ٹائٹل اس کو ملتا ہے جو ایسے مواقع پر پیسہ دے جہاں جیب خالی کر کے بھی شہرت حاصل نہیں ہوتی۔

روزہ محتاط زندگی کی مشق ہے

ایک شخص جو زندگی کا مطلب یہ سمجھتا ہو کہ "جسم کو تندرست رکھو، کھاؤ پیو اور خوش رہو" اس کی سمجھ میں روزہ کا فائدہ نہیں آتا۔ وہ کہتا ہے کہ آخر روزہ کی ضرورت کیا ہے اور اس کو اسلام میں کیوں فرض کیا گیا ہے۔ ایک عام دنیا پرست کے سامنے زندگی کا جو نقشہ ہوتا ہے اس میں روزہ کا جوڑ بیٹھتا ہوا نظر نہیں آتا۔ وہ یا تو سرے سے روزہ نہیں رکھتا اور اگر روایتی اثرات کے تحت رکھتا بھی ہے تو وہ اس کی اصل زندگی کے ساتھ ایک بے جوڑ ضمیمہ کی مانند رہتا ہے، وہ اس کی شعوری ہستی کا جز نہیں بنتا۔ حالاں کہ حقیقی روزہ وہ ہے جو محض روایتی ضمیمہ نہ ہو بلکہ آدمی کے پورے وجود میں شامل ہو جائے۔

اگرچہ تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ روزہ کے اندر گہرے طبی فوائد بھی ہیں۔ خاص طور پر قلب کی بیماریوں کے لئے یہ ایک نہایت کارگر حفاظتی تدبیر ہے۔ مگر اس قسم کے فوائد کا انکار نہ کرتے ہوئے ہم کہیں گے کہ یہ روزہ کا اصل مقصود نہیں ہے۔ یہ اس کے مختلف ضمنی فوائد میں سے ایک فائدہ ہے۔ روزہ اصلاً ایک بہت بڑی حکمت کے لئے مقرر کیا گیا ہے، ایک ایسی حکمت جو آدمی کو حاصل نہ ہو تو اس کی ساری زندگی اکارت ہو کر رہ جائے۔

قرآن میں بتایا گیا ہے کہ روزہ فرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے اندر تقویٰ پیدا ہو (بقرہ ۱۸۳) عربی زبان میں تقویٰ کا مطلب ہے بچنا، پرہیز کرنا۔ فرس تقواة اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو پاؤں میں تکلیف کی وجہ سے چلنے سے ڈرے۔ متقی کا لفظ زیادہ جامع طور پر تقریباً اسی مفہوم کے لئے بولا جاتا ہے جس کے لئے محتاط (Cautious) کا لفظ بولا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ روزہ کا مقصد آدمی کے اندر اس نفسیاتی حالت کو بیدار کرنا ہے جس کو ہم اپنی زبان میں پروا، کھٹک اور احتیاط سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہی صفت قرآن کی بھی بتائی گئی ہے (ذٰلك الكتاب لاريب فيه هدى للمتقين) یعنی اس کتاب میں ان لوگوں کے لئے رہنمائی ہے جن کے دلوں میں کھٹک ہو۔ جو اس بات کے لئے اندیشہ میں رہتے ہوں کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا۔ تاکہ جو غلط ہے اس کو چھوڑ دیں اور جو صحیح ہے اس کو اپنے لئے اختیار کر لیں۔ یہی تقویٰ یا کھٹک کی حالت ساری نیکیوں کی بنیاد ہے۔ کیونکہ جس کو کھٹک ہو وہی اس کے بارے میں سنجیدہ ہو گا کہ وہ غلط کو چھوڑ دے اور صحیح پر چلنے کا اہتمام کرے۔ جس کے دل میں کھٹک ہی نہ ہو وہ اس قسم کی تمیز کرنے کی ضرورت کیوں سمجھے گا۔ وہ تو صرف اپنی خواہشوں پر چلے گا۔ ظاہری طور پر دیکھنے میں جو چیز اس کو پسند آئے گی، اس کو لے لے گا، خواہ وہ چیز صحیح ہو یا غلط۔

روزہ یہی کھٹک کی حالت پیدا کرنے کی ایک تدبیر ہے۔ روزہ کے ذریعہ آدمی کی روزانہ زندگی میں یہ بات شامل کر دی جاتی ہے کہ وہ اپنے روز و شب کے معاملات کو "کھٹک" کی نظر سے دیکھے۔ یہ ایک مشق ہے جو شعبان کی ۲۹ تاریخ سے شروع ہو جاتی ہے۔ ۲۹ شعبان کی شام کو آدمی کی نظریں آسمان میں چاند دیکھنے کے لئے گڑ جاتی ہیں کہ کہیں وہ گردش زمین کے اس لمحہ میں تو داخل نہیں ہو گیا ہے جب کہ اس کو اپنی زندگی کے نقشہ کو بالکل بدل دینا ہے

سحر کب ہوتی ہے اور سورج کب غروب ہوتا ہے، اس کو ٹھیک ٹھیک جاننے کے لئے وہ فکرمند رہتا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اپنی زندگی کے نظام میں اس کو ان کی رعایت کرتے ہوئے چلنا ہے۔ دیگر ایام میں بھوک اور خواہش اس کی رہنما تھی مگر اب اس کو نہایت صحت کے ساتھ یہ جاننا پڑتا ہے کہ کتنے بج کر کتنے منٹ پر کھانا پینا ہے اور کتنے بج کر کتنے منٹ کے بعد کھانا پینا بالکل بند کر دینا ہے۔ جو دن پہلے کسی احتیاط اور اندیشہ کے بغیر گزرتے تھے، انھیں دنوں کے بارے میں اب وہ یہ مسئلہ جاننا ضروری سمجھنے لگتا ہے کہ کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا ہے، کیا کھانا ہے اور کیا نہیں کھانا ہے، ایسا نہ کرو ورنہ روزہ ٹوٹ جائے گا۔ ویسا نہ کرو ورنہ روزہ رکھ کر بھی تم بے روزہ ہو جاؤ گے۔ غرض ایک مہینے تک تمام رات اور تمام دن اس مشق میں گزر جاتے ہیں کہ آدمی کہاں تک جا سکتا ہے اور کہاں تک نہیں جا سکتا۔ اس کو کس طرح رہنا چاہئے اور کس طرح نہیں رہنا چاہئے۔ روزہ کا مقصد یہ ہے کہ آدمی کے روزمرہ کے معمولات میں "کیا کر سکتے ہو، کیا نہیں کر سکتے"، کا مسئلہ کھڑا کر کے اس کو تیار کیا جائے کہ وہ اسی کو اپنا مستقل مزاج بنالے۔ یہ کھٹک کی زندگی ہی ایمانی زندگی ہے اور یہی ساری عمر کے لئے مومن سے مطلوب ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روزہ کی جو دعائیں منقول ہیں وہ اس کیفیت کو بتاتی ہیں جو روزہ کے ذریعہ انسانی نفسیات میں پیدا کرنا مقصود ہے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ روزہ پورا کرنے کے بعد شام کو جب آپ افطار فرماتے تو آپ کی زبان سے کچھ دعائیہ کلمات نکلتے۔ اس سلسلہ میں حدیث کی کتابوں میں مختلف دعائیں آئی ہیں۔ یہاں مسئلہ کو سمجھنے کے لئے چند دعائیں نقل کی جاتی ہیں۔

الحمد للہ الذی اعاننی فصمت ورزقنی فافطرت	شکر اللہ کے لئے ہے جس نے مدد کی تو میں نے روزہ رکھا اور جس نے رزق دیا تو میں نے افطار کیا۔
اللّٰھم لک صمنا وعلیٰ رزقک افطرنا فتقبل منا انک انت السمیع العلیم	اے اللہ ہم نے تیرے ہی لئے روزہ رکھا اور تیرے ہی رزق سے افطار کیا۔ تو ہمارے روزے کو قبول فرمالے۔ یقیناً تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔
اللّٰھم لک صمت وعلیٰ رزقک افطرت	اے اللہ، میں نے تیرے ہی لئے روزہ رکھا اور تیرے ہی دئے ہوئے رزق سے افطار کیا۔
الحمد للہ ذھب الظمأ وابتلت العروق وثبت الاجر انشاء اللہ	شکر اللہ کا، پیاس بجھ گئی اور رگیں تر ہو گئیں اور اللہ نے چاہا تو اجر ضرور ملے گا۔

ان دعاؤں کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بس ان کو رٹ لیا جائے اور لفظی منتر کی طرح ان کو افطار کے وقت زبان سے دہرا دیا جائے۔ یہ دعائیں دراصل ان کیفیات کا اظہار ہیں جو بندہ مومن کے اندر روزہ رکھنے سے پیدا ہوتی ہیں۔ ایک خدا کا بندہ خدا کے لئے دن بھر بھوکا پیاسا رہنے کے بعد شام کو جب کھانا اور پانی سے اپنے جسم کو شادکام کرتا ہے اس وقت اس کے قلب میں اپنے رب کے بارے میں جو کیفیات امنڈتی ہیں، وہ کیفیات ان لفظوں کی صورت میں ڈھل گئی ہیں۔

یہ اور اس طرح کی دوسری دعائیں جو حدیث کی کتابوں میں آئی ہیں، وہ سب سے زیادہ قیمتی ذریعہ یہ جاننے کا ہیں کہ روزہ کی حقیقت کیا ہے اور ہمیں اپنے روزہ کو کس معیار پر جانچنا چاہئے۔ وہ معیار یہ ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ وہ کیفیات جن کا ذکر ان دعائیہ کلمات میں ہے، وہ ہمارے اندر امنڈتی ہیں یا نہیں۔ اگر ہمارا روزہ ان کیفیات میں ڈھل رہا ہو تو تو ہمارا روزہ روزہ ہے۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو ہم کو ڈرنا چاہئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارے روزہ کو یہ کہہ کر ہماری طرف لوٹا دیا جائے ——— تمہارا روزہ تو محض کھانا پینا چھوڑنا تھا۔ اور جب آدمی غیر متقیانہ روش کو نہ چھوڑے تو خدا کو اس کی حاجت نہیں کہ کوئی شخص خواہ مخواہ اپنا کھانا پانی چھوڑ دے۔

سلیمان بن عامر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص افطار کرے تو اس کو چاہئے کہ کھجور سے افطار کرے۔ کیوں کہ اس میں برکت ہے۔ اور کھجور نہ پائے تو اس کو چاہئے کہ پانی سے افطار کرے کیونکہ وہ پاک ہے (احمد، ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ، دارمی) اس طرح کی روایات روزہ کی ایک اور حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ وہ یہ کہ مومن کو چاہئے کہ وہ سادہ اور فطری زندگی اختیار کرے۔ اور مصنوعی لوازم اور غیر ضروری تکلفات سے پرہیز کرے۔ پانی اور کھجور سے افطار دراصل سادہ اور فطری زندگی کی علامت ہے جس کی مشق عین اس وقت کرائی جاتی ہے جب کہ آدمی بھوک پیاس سے بے قرار ہونے کی وجہ سے سب سے زیادہ اس کے قریب ہوتا ہے کہ غیر سادہ اور غیر فطری زندگی پر ٹوٹ پڑے۔

دنیا میں اسلامی زندگی کو پانے کی واحد اور لازمی شرط یہ ہے کہ آدمی سادہ اور فطری زندگی پر اپنے کو راضی کرے۔ سادہ زندگی آدمی کو ان غیر ضروری لوازم سے بچاتی ہے جن میں مشغول ہونے کے بعد وہ اس قابل ہی نہیں رہتا کہ وہ دین کے کاموں میں زیادہ توجہ دے سکے۔ سادہ زندگی ایک مومن کے لئے موجودہ دنیا میں وہی اہمیت رکھتی ہے جو ایک مریض کے لئے پرہیز کی اہمیت ہوتی ہے۔ سادہ زندگی، آدمی کو غیر ضروری تکلفات سے فارغ رکھ کر دین میں بھرپور حصہ لینے کے قابل بناتی ہے۔ اس کے برعکس غیر سادہ زندگی آدمی کو غیر ضروری مشاغل میں پھنسا کر دین سے دور کر دیتی ہے۔

یہی معاملہ فطری زندگی کا ہے۔ آدمی فطرت سے جتنا زیادہ قریب ہوگا اتنا ہی وہ خدا سے قریب ہوگا۔ آدمی جب کھجور اور پانی سے افطار کرتا ہے تو اس کو کھجور اور پانی کا خالق یاد آتا ہے۔ اس کے برعکس اگر وہ حلوہ اور مصنوعی مشروبات سے افطار کرے تو اس کو حلوہ بنانے والے اور مصنوعی مشروبات تیار کرنے والے یاد آتے ہیں۔ اول الذکر افطار اس کو خدائی صنعتوں کی یاد کی طرف لے جاتی ہے اور ثانی الذکر انسانی صنعتوں کی یاد کی طرف۔

روزہ کی حالت میں کسی کے منہ میں کھانا چلا جائے تو وہ سہم اٹھتا ہے کہ اس کا روزہ کہیں جاتا نہ رہے یہی تقویٰ ہے اور یہی کیفیت آدمی سے اس کے تمام معاملات میں مطلوب ہے۔ آدمی اپنے دل کو خدا کی یاد سے غافل پائے تو اس کو اندیشہ لگے کہ وہ خدا کی رحمتوں سے محروم تو نہیں ہو گیا ہے۔ وہ کسی کو حقیر و ذلیل سمجھتے ہوئے ڈرے کہ عزت و ذلت تو خدا کے ہاتھ میں ہے۔ کیا معلوم خدا اس کو عزت دے اور مجھ کو ذلیل کر دے۔ جب آدمی کے اوپر اس قسم کی فکرمندی چھاتی ہے تو قدرتی طور پر اس کی عادتیں سادہ ہو جاتی ہیں۔ وہ تکلفات سے دور ہو جاتا ہے۔ وہ فطرت کی سطح پر زندگی گزارنے لگتا ہے۔

عمل کی کمی کو الفاظ کی زیادتی سے پورا نہیں کیا جا سکتا

مسٹر سی۔ ایس۔ جھا اقوام متحدہ میں ہندوستان کے نمائندہ رہ چکے ہیں۔ اگست۔ ستمبر ۱۹۶۵ میں ہند و پاک جنگ کے بعد تاشقند میں جو کانفرنس ہوئی، اس میں وہ شریک تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اس کانفرنس میں سابق صدر محمد ایوب خاں کا رجحان مصالحت کی طرف تھا۔ مگر ذوالفقار علی بھٹو اور مسٹر عزیز احمد کا خیال تھا کہ ہندستان جب تک کشمیر کے معاملہ میں پاکستان کے موقف کو نہ تسلیم کرے، کوئی معاہدہ نہیں ہونا چاہئے۔ اس سلسلے میں وہ لکھتے ہیں کہ ۶ جنوری ۱۹۶۶ کو روسی میزبانوں کی طرف سے کھانے کی ایک دعوت تھی۔ مسٹر عزیز احمد نے گفتگو کے دوران اپنی جیب سے ایک کاغذ نکالا جس پر تین سطروں میں ایک عبارت لکھی ہوئی تھی۔ ان کے بیان کے مطابق یہ ان کی طرف سے مشترکہ اعلامیہ کا مجوزہ مضمون تھا۔ جو مسٹر بھٹو نے پنسل سے لکھا تھا۔ اس میں کہا گیا تھا کہ "طرفین نے کشمیر کے سوال پر تبادلہ خیال کیا اور اس پر متفق ہوئے کہ وہ اقوام متحدہ کے چارٹر اور اقوام متحدہ کے رزولیوشن کے مطابق پر امن حل کے لئے باہم گفتگو کریں گے۔" اس کے بعد مسٹر جھا لکھتے ہیں: بظاہر اس کا مطلب یہ تھا کہ مسٹر بھٹو جس چیز کو جنگ کے ذریعہ حاصل کرنے میں ناکام رہے ہیں اس کو وہ تاشقند میں حاصل کر لینا چاہتے ہیں (السٹریٹیڈ ویکلی ۶ مئی ۱۹۷۹)

It seemed that Bhutto wished to succeed in Tashkent
in what he had failed to achieve by war !

آخری جملہ میں مسٹر جھا نے جو تبصرہ کیا ہے، وہ موجودہ دور کی پوری مسلم سیاست پر صادق آتا ہے، ہمارے قائدین آج جس سیاست میں مشغول ہیں وہ ہر جگہ یہی ہے کہ میدان مقابلہ میں ہاری ہوئی بازی کو تقریروں اور تحریروں کے زور پر دوبارہ جیت لیں۔ عدم تیاری، ناقص منصوبہ بندی، اتحاد کی کمی، صورت حال کا غلط اندازہ، یہ وہ چیزیں ہیں جنھوں نے ہمارے قائدین کے بڑے بڑے اقدامات کو ناکام بنا دیا ہے۔ ان کے لئے دوسرا راستہ یہ تھا کہ اپنی غلطی کا اعتراف کرتے اور دوبارہ صحیح تیاری کر کے کھوئی ہوئی چیز کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔ مگر وہ حیرت انگیز جسارت کے ساتھ الفاظ کو عمل کا قائم مقام بنانے میں مشغول ہیں۔

زندگی کے معاملات کا فیصلہ عمل کے میدان میں ہوتا ہے نہ کہ الفاظ کے میدان میں۔ عمل کے حقیقی میدان میں جو لوگ قیادتی اہلیت کا ثبوت نہ دے سکیں وہ اکثر بحث و گفتگو کی میز پر یا تقریر کے پنڈال میں لفظوں کے کرتب دکھا کر اپنے کو باعمل ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر اس قسم کی عملیت صرف آدمی کے جرم میں اضافہ کرتی ہے۔ ایک شخص جب حقیقی عملی امتحان میں ناکام ہو جائے تو اس کے لئے صحیح راستہ صرف یہ ہے کہ اپنی نااہلی کا اعتراف کر کے خاموش بیٹھ جائے یا پھر اپنے منصوبہ کی خامیوں کو درست کر کے دوبارہ صحیح تر انداز سے اس کی جدوجہد شروع کرے۔ اس کے بجائے لفظی کمالات کے ذریعہ عمل کا کریڈٹ لینے کی کوشش کرنا ایک ایسا فعل ہے جو نہ خدا کی نگاہ میں کوئی قیمت رکھتا ہے اور نہ بندوں کی نگاہ میں۔

جو کھوتا ہے وہی پائے گا

حدیث میں ہے کہ پیغمبروں کو دنیا کی زندگی میں سب سے زیادہ مصائب میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء اور ان کے ساتھیوں کو ہر قسم کی تکلیفیں اٹھانی پڑیں۔ حتی کہ وہ دنیا میں بے جگہ بنا دئے گئے۔ اس سلسلے میں قرآن کے چند حوالے حسب ذیل ہیں:

ان کو ان کے گھروں سے نکالا گیا۔	آل عمران	۱۹۵
ان کو گم نامی کے غار میں ڈال دیا گیا	یوسف	۱۵
وہ اعزاز کے مقامات سے محروم ہوگئے	ہود	۶۲
ان کا مذاق اڑایا گیا	زخرف	۷
ان کو داعی حق کے بجائے ایک معمولی انسان سمجھا گیا	مومنون	۳۴
ان کو شاعر اور مجنون قرار دیا گیا	صافات	۳۶
لوگوں نے ان کو کم عقل اور جھوٹا جانا	اعراف	۶۶
ان کو اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور کیا گیا	ابراہیم	۱۳
زمین اپنی ساری کشادگی کے باوجود ان پر تنگ کر دی گئی	توبہ	25

یہ تکلیفیں جو پیغمبروں پر ڈالی گئیں وہ یقیناً اللہ کے علم میں تھیں اور اللہ چاہتا تو اپنے نبیوں کو ان سے بچا سکتا تھا۔ مگر اللہ نے ایسا نہیں کیا۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ داعی کے اندر جو اوصاف مطلوب ہیں وہ اس کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتے۔ قرآن کے الفاظ میں، داعی کے لئے ضروری ہے کہ وہ مقال (قوم کی زبان میں بولنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ وہ وطأ شدید (مزمل) کے مرحلہ سے گزرے۔ ایک روح جو حق کی راہ میں روندی گئی ہو، اسی کی زبان سے وہ مؤثر کلمات نکلتے ہیں جن کو خدا کے دین کی دعوت کہا جاتا ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی دعوت سے فلسطین کا ایک شخص متاثر ہوا۔ اس نے آپ کے پاس آکر کہا: اے استاد میں تیرے ساتھ رہوں گا اور جہاں کہیں تو جائے گا میں تیرے پیچھے چلوں گا۔ حضرت مسیح نے جواب دیا:

> **لومڑیوں کے بھٹ ہوتے ہیں اور ہوا کے پرندوں کے گھونسلے۔ مگر ابن آدم کے لئے سر دھرنے کی بھی جگہ نہیں** (متی ۸: ۲۱-۲۰)

عیسائی روایات کے مطابق حضرت مسیح کے پاس اپنا کوئی گھر نہ تھا۔ وہ دن بھر وعظ و تلقین میں مشغول رہتے اور رات کو کہیں سو رہتے۔ یہی اکثر پیغمبروں کا حال رہا ہے۔ ایک اچھا گھر اس بات کی ایک علامت ہے کہ آدمی نے دنیا میں اپنی ایک زندگی بنائی ہے۔ مگر معروف معنوں میں ان کا کوئی "گھر" نہیں ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں پیغمبر کی زندگی ایک ایسے سوار کی زندگی ہوتی ہے جو تھوڑی دیر دنیا کے کسی درخت کے سایہ میں ٹھہرے اور اس کے بعد

آخرت کی منزل کے لئے آگے روانہ ہو جائے ۔

انبیاء اور ان کے ساتھی "گھر" سے محروم کیوں رکھے گئے ۔ اس کا جواب ہم کو ایک حدیث میں ملتا ہے ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ " اللہ نے فرشتہ کے ذریعہ میرے پاس یہ پیغام بھیجا کہ مکہ کی وادی کو تمھارے لئے سونا بنا دیا جائے ۔ میں نے کہا اے میرے رب نہیں ۔ بلکہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ایک روز کھاؤں اور ایک روز بھوکا رہوں ۔ تاکہ جب بھوک ستائے تو میں تجھ سے عاجزی کروں اور جب مجھے سیری حاصل ہو تو میں تیرا شکر کروں اور تیری تعریف کروں "۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حالات کے بغیر کیفیات پیدا نہیں ہو سکتیں ۔ انبیاء دنیا کی زندگی میں "گھر والے" نہیں بنائے گئے ۔ انھوں نے دنیا کے سرد و گرم کے درمیان بے گھر ہونے کا مزہ چکھا تاکہ آخرت کے گھر کی تڑپ ان کے اندر کمال درجہ میں پیدا ہو ۔ آخرت میں بے جگہ ہو جانے کی حقیقت ان کے اوپر پوری طرح کھل جائے ۔ جنت کے مکانات سے محرومی کے بعد انسان کا کیا حال ہوگا ، اس کا احساس ان کے اندر شدت سے ابھر آئے ۔ پیغمبروں کا مشن یہ تھا کہ وہ دنیا والوں کو آخرت کے معاملہ کی سنگینی سے پوری طرح باخبر کر دیں ۔ وہ لوگوں کو بتا دیں کہ جو شخص آخرت میں بے گھر ہو گیا ، اس کے لئے ابدی عذاب کے سوا اور کچھ نہیں ۔ اس قسم کی ایک دعوت وہی شخص دے سکتا ہے جو موت سے پہلے موت کے بعد کے احوال کو دیکھنے لگا ہو ۔ جو شخص اس مقام پر نہ ہو اس کے کلام میں آخرت کی ٹیسیں شامل نہیں ہو سکتیں اور جس کے کلام میں آخرت کی ٹیسیں شامل نہ ہوں اس کا آخرت کی پیغام رسانی کے لئے اٹھنا ایک قسم کی شاعری ہے نہ کہ حقیقی معنوں میں دعوت ۔ ایسا داعی اس شخص کی مانند نہیں ہو سکتا جو ایک منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور پھر دوسروں کو اسے دکھاتا ہے ۔

اگرچہ آدمی کے عجز کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے رب سے عافیت مانگے ۔ وہ ہمیشہ یہ التجا کرے کہ اللہ اس کو کسی مشکل میں نہ ڈالے ۔ مگر یہ بھی واقعہ ہے کہ آدمی کی خدا پرستی جب تک اس کو اپنی طرف اس طرح نہ کھینچ لے کہ دوسری تمام مصلحتوں کے سرے اس کے ہاتھ سے چھوٹ جائیں ، وہ حقیقی معنوں میں خدا والا نہیں بن سکتا ۔ جب تک اس کا یہ حال نہ ہو کہ آخرت کے شوق میں اس کی دنیا برباد ہو جائے ، اس وقت تک وہ اگلی دنیا کی تجلیات کا مشاہدہ نہیں کر سکتا ۔ جب تک اس کی جنت کی طلب اس درجہ کو نہ پہنچ جائے کہ دنیا میں گھر بنانا اس کو یاد نہ رہے ، اس وقت تک وہ جنت کی حقیقت سے آشنا نہیں ہو سکتا ۔ دنیا میں خانہ بربادی کا تجربہ کرنے کے بعد ہی آدمی آخرت میں خانہ آبادی کی اہمیت اور معنویت کو سمجھتا ہے ۔ اس کے بعد ہی اس کے اندر وہ داعیانہ سنجیدگی پیدا ہوتی ہے جو اس کو آخرت کا منذر اور مبشر بنا سکے ۔ داعی کا کلام آخرت میں بسا ہوا کلام ہوتا ہے اور کوئی شخص جب تک آخرت کی طلب میں اس انتہا تک نہ جائے کہ اس کی خاطر اس کی زندگی برباد ہو جائے ، وہ آخرت میں بسے ہوئے الفاظ میں کلام نہیں کر سکتا ۔

گھر کا لفظ ابتدائی طور پر اس در و دیوار کے لئے بولا جاتا ہے جہاں آدمی اپنے بیوی بچوں کے ساتھ روز و شب گزارتا ہے ۔ مگر اس کے آگے آدمی کا ایک اور گھر ہے ۔ یہ اعوان و انصار کا وہ حلقہ ہے جو کسی کے لئے دوستوں اور رشتہ داروں کے ذریعہ بنتا ہے اور کسی کے لئے اس کے معتقدین اور متاثرین کے ذریعہ ۔ کسی کے لئے گاہکوں (Clients) اور چندہ دہندگان کے ذریعہ بنتا ہے اور کسی کے لئے تالیاں بجانے والے اور استقبال کرنے والے عوام کے ذریعہ ۔ یہ حلقہ یا دائرہ

خواص کے لئے اتنا ہی اہم ہوتا ہے جتنا ایک عام آدمی کے لئے ایک اچھا گھر۔ کوئی قائد ایسے ایک حلقہ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس لئے جب کسی خوش قسمت انسان کے گرد ایسا حلقہ بن جائے تو ہر قیمت پر وہ اس کو باقی رکھنا ضروری خیال کرتا ہے۔ حالاں کہ یہ "حلقہ" ہی وہ چیز ہے جو خواص کے لئے سب سے زیادہ قاتل ثابت ہوتا ہے۔

ایک آدمی جب آخرت کے لئے فکر مند ہوتا ہے تو وہ دنیا میں اپنے گھر کو برباد کر لیتا ہے۔ یہی معاملہ خواص کے ساتھ پیش آتا ہے۔ جو شخص حقیقی معنوں میں آخرت کو اپنا مسئلہ بنائے گا اس کے ساتھ لازماً یہ ہوگا کہ دنیا میں اس کا حلقہ ٹوٹنے لگے گا۔ اخروی مصلحتوں کی طرف جھکاؤ کی وجہ سے وہ دنیوی مصلحتوں کی رعایت نہ کر سکے گا۔ خدا کو خوش کرنے کی کوشش میں وہ بندوں کو ناراض کرے گا۔ اس کی مقبولیت نامقبولیت میں تبدیل ہو جائے گی۔ استقبالیہ دینے والے اس کو نظر انداز کریں گے۔ شان دار خطابات کے بجائے اس کو برے الفاظ کا تحفہ پیش کیا جائے گا۔ لوگوں کی نظر میں باعزت بننے کے بجائے لوگوں کی نظر میں وہ حقیر ہو جائے گا۔ ادارے اور کانفرنسیں اس کو دعوت نامے روانہ کرنا بھول جائیں گی۔ کسی زندہ انسان کے لئے بلاشبہ یہ بڑا سخت امتحان ہے۔ مگر جب تک آدمی اس امتحان کی بھٹی پر نہ پہنچے وہ اعلیٰ ایمانی کیفیات کا تجربہ نہیں کرتا، وہ خدا کی طرف سے بولنے کے قابل نہیں ہوتا۔

آخرت کا داعی وہی بن سکتا ہے جو آخرت کے مسئلہ میں شدت احساس سے پگھل رہا ہو۔ یہ شدت ایک ایسے شخص میں پیدا نہیں ہو سکتی جو دنیا کی زندگی میں "گھر والا" بنا ہوا ہو۔ اس قسم کی آتشیں کیفیت کا مالک تو وہی شخص ہو سکتا ہے جو دنیا میں بے گھر اور بے یار و مددگار ہو جائے۔ ایسے ہی ایک انسان کے اندر وہ احساس محرومی جاگتا ہے جو اس کو پانے کے لئے بے تاب کر دے۔ اپنی نفسیاتی کیفیت کے اعتبار سے یہی وہ شخص ہوتا ہے جو لوگوں کو آخرت سے اس طرح ہوشیار کرے جیسے کہ لوگ آگ کے کنارے کھڑے ہوئے ہیں۔ جس کو آگ کی لپٹیں لگ رہی ہوں وہی جانتا ہے کہ آگ کیا ہے اور وہی اس قابل ہے کہ آتشیں الفاظ میں لوگوں کو آنے والے خطرہ سے آگاہ کرے۔ جو محرومی کی زمین پر کھڑا ہو وہی یافت کا پیغام بر بن سکتا ہے۔ جس نے محرومی کا تجربہ نہیں کیا، اس کے لئے یہ بھی ممکن نہیں کہ وہ لوگوں کو آخرت کی محرومی کے مسئلہ سے ہوشیار کرنے والا بنے ——— لوگ جس چیز کو بچانے میں لگے ہوئے ہیں اسی کو کھونے میں ان کی کامیابی کا راز چھپا ہوا ہے۔

لوگ ایسے کاموں کی طرف دوڑتے ہیں جن میں کچھ کئے بغیر "مصلح ملت زندہ باد" کے استقبالئے ملتے ہوں۔ جس میں صرف کچھ الفاظ بول کر عمل اور جدوجہد کا خطاب عطا کیا جاتا ہو۔ جس میں ایک تقریری نمائش پر شہرت اور عزت کے خزانے لٹائے جاتے ہوں۔ جس میں نعروں اور جھنڈوں کی سیاست چلانے پر آسمانی نظام قائم کرنے کا کریڈٹ ملتا ہو۔ جس میں آدمی دوسروں سے چندے کر لاکھ روپیہ کی تھیلی بنائے اور پھر ہوائی جہاز میں اڑ کر "مظلومین" کی امداد کے لئے سفر کرے ——— ہر آدمی جھوٹے الفاظ کی ایک ڈکشنری لئے ہوئے ہے، صرف اس لئے کہ جھوٹے الفاظ کی ڈکشنری دنیا کے بازار میں سب سے زیادہ دھوم کے ساتھ بکتی ہے۔ کاش لوگوں کو معلوم ہوتا کہ اس دنیا میں سب سے قیمتی سودا وہ ہے جو بکنے سے رہ گیا ہو۔ کیوں کہ خدا خود اس کا خریدار ہوگا۔

وہ اپنے خلاف تنقید سن کر بھپر اٹھا

ازرا پاونڈ (۱۹۷۲ — ۱۸۸۵) مشہور امریکی شاعر اور تنقید نگار ہے۔ رابندر ناتھ ٹیگور سے اس کی پہلی ملاقات ۳۰ جون ۱۹۱۲ کو لندن میں ہوئی۔ وہ ٹیگور کی صلاحیتوں سے بہت متاثر ہوا۔ ٹیگور کی نظم گیتان جلی کا انگریزی ترجمہ چھپا تو ازرا پاونڈ (Ezra Pound) نے لکھا کہ ٹیگور کے کلام میں وہ عظمت پائی جاتی ہے جو دانتے کی خصوصیت ہے۔ اس نے یہاں تک کہا کہ وہ ہم میں سے کسی بھی شخص کے مقابلہ میں زیادہ عظیم ہیں۔

...... greater than any one of us

ازرا پاونڈ نے ٹیگور کی بابت یہ الفاظ مارچ ۱۹۱۳ میں ایک امریکی رسالہ (Fortnightly Review) میں لکھے تھے صرف ایک ماہ بعد ۲۲ اپریل ۱۹۱۳ کو اس نے رسالہ (Poetry) کے ایڈیٹر کے نام ایک خط لکھا جس میں ٹیگور کو فضول (Superfluous) قرار دیا اور کہا کہ ان کے کلام میں صرف بعض پرانی باتوں کی تکرار ہے اور اصل بنگالی زبان میں جو ادبی چاشنی تھی وہ بھی انگریزی ترجمہ میں ختم ہو گئی ہے۔

ٹیگور کے بارہ میں ازرا پاونڈ کی رائے میں یہ تبدیلی کیسے آئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ازرا پاونڈ نے کالی موہن گھوش کی مدد سے کبیر کی نظموں کا انگریزی ترجمہ شروع کیا۔ یہ ترجمہ کتابی صورت سے پہلے میگزین میں قسط وار چھپا۔ ٹیگور نے اس ترجمہ کو دیکھا تو وہ ان کو بہت ناقص معلوم ہوا۔ انھوں نے اس کے ادبی معیار پر سخت تنقید کی۔ اس تنقید کو پڑھ کر ازرا پاونڈ بگڑ گیا اور وہی ٹیگور جس کی بابت وہ اس سے پہلے غیر معمولی تعریفی کلمہ کہہ چکا تھا، اس کی ہجو کرنے لگا۔ (ٹائمس آف انڈیا ۱۸ مارچ ۱۹۷۹)

بیشتر انسانوں کے لئے سب سے زیادہ قابل نفرت چیز ان کی اپنی ذات پر تنقید ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بیشتر انسانوں کے لئے پرستش کا مرکز ان کی اپنی ذات ہوتی ہے اور آدمی کی فطرت ہے کہ وہ اپنی پرستش کے مرکز پر تنقید کبھی گوارا نہیں کرتا۔

آدمی جب کسی کی تعریف کرتا ہے تو اکثر حالات میں وہ خود اپنی تعریف کی ایک صورت ہوتی ہے۔ ایک لیڈر جب اسٹیج پر کھڑا ہوتا ہے اور پنڈال میں بھرے ہوئے عوام کے سامنے فیاضانہ الفاظ کا تحفہ پیش کرتا ہے تو در اصل وہ عوام کو ان کے اس عطیہ کا بدلہ دے رہا ہوتا ہے کہ انھوں نے اس کے تقریری تھیٹر میں جمع ہو کر اس کی شان میں اضافہ کیا۔ ایک شخص جب کسی ایسے شخص کے اعتراف میں قصیدہ پڑھتا ہے جو اس کا حریف نہیں ہے تو یہ در اصل اپنے وسعت ظرف اور اپنی شرافت کے اشتہار کی ایک بے ضرر صورت ہوتی ہے۔ ایک صاحب قلم جب دوسرے صاحب قلم کے تذکرہ میں الفاظ کے پھول کھلاتا ہے تو وہ یا تو بالواسطہ طور پر اس کے کسی سابقہ قصیدہ کا شکرانہ ادا کر رہا ہوتا ہے یا یہ کہتا ہے کہ تم بھی اسی طرح میرا قصیدہ شائع کرنا۔ کبھی ایک تعریف اس لئے بھی شائع کی جاتی ہے کہ کسی سابقہ تنقید کی وجہ سے اپنی بگڑی ہوئی تصویر کو متوازن کیا جا سکے۔

حقیقی تعریفی کلمات وہ ہیں جو اپنے بھائی کی خیر خواہی کے جذبہ کے تحت نکلے ہوں۔ مگر یہی چیز دنیا میں سب سے زیادہ کمیاب ہے۔ کسی کو حقیقی خیر خواہی کا ایک کلمہ دینا اتنی بڑی فیاضی ہے جو شاذ و نادر ہی کسی خوش نصیب کے حصہ میں آتی ہے۔

صرف "کرنا" کافی نہیں

بالٹی کے پیندے میں سوراخ ہو اور اوپر سے آپ اس میں پانی ڈالیں تو سارا پانی بہہ کر نکلتا رہے گا اور بالٹی کے اپنے حصہ میں کچھ نہیں آئے گا۔ ایسا ہی معاملہ انسان کا بھی ہے۔ آدمی کا وہی عمل حقیقۃً عمل ہے جو خود اس کو کچھ دے رہا ہو۔ اگر آدمی بظاہر سرگرمیاں دکھا رہا ہو اور اس کا اپنا وجود کچھ پانے سے محروم ہو تو اس کی سرگرمیوں کی کوئی حقیقت نہیں۔ عمل وہی عمل ہے جس کے دوران آدمی کے ذہن میں شعور کی چنگاری پڑے۔ اس کے دل میں سوز و تڑپ کا کوئی لاوا ابلے۔ اس کی روح کے اندر کوئی کیمیاتی ہل چل پیدا ہو۔ اس کے اندرون میں کوئی ایسا حادثہ گزرے جو برتر حقیقتوں کی کوئی کھڑکی اس کے لئے کھول دے۔ یہی یافت کسی عمل کی کامیابی کا اصل معیار ہے۔ وہی عمل عمل ہے جو آدمی کو اس قسم کے تحفے دے رہا ہو۔ جس عمل سے آدمی کو یہ چیزیں نہ ملیں وہ ایسا ہی ہے جیسے سوراخ دار بالٹی میں پانی گرانا۔

دیکھنے کی چیز یہ نہیں ہے کہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ آپ کیا ہو رہے ہیں۔ اگر آپ کی "مصروفیات" بہت بڑھی ہوئی ہوں، اگر بتانے کے لئے آپ کے پاس بہت سے کارنامے ہوں مگر آپ کی اندرونی ہستی خالی ہو، آپ خود کچھ نہ ہو رہے ہوں تو آپ کی مصروفیات محض بے فائدہ سرگرمیاں (Idle Business) ہیں۔ اس کے سوا اور کچھ نہیں — ہوائیں ہوں مگر ان سے آکسیجن نہ ملے۔ پانی ہو مگر اس سے سیرابی حاصل نہ ہو۔ غذا ہو مگر اس سے آدمی کو قوت نہ ملے۔ سورج ہو مگر وہ روشنی نہ دے رہا ہو تو ایسا ہونا ہونا نہیں ہے بلکہ نہ ہونے کی بدترین شکل ہے۔ اسی طرح جو عمل آدمی کی اپنی غذا نہ بن رہا ہو وہ **عمل نہیں صرف** بے عملی ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ بے معنی کوئی چیز۔

پتھر کے اوپر آپ پانی ڈالیں تو وہ بظاہر پانی سے بھیگ جائے گا۔ اس کے چاروں طرف پانی پانی نظر آئے گا۔ مگر پتھر پانی کے مزہ اور برادٹ کو نہیں جانتا، اس نے پانی کی **اِس دوسری حیثیت کا تجربہ** نہیں کیا۔ اس کے برعکس ایک زندہ آدمی جب پیاس کے وقت پانی پیتا ہے تو اس کی رگیں تر ہو جاتی ہیں، **وہ پانی کی حقیقت کا ایک** "اندرونی تجربہ" کرتا ہے۔ اس مثال سے سمجھا جا سکتا ہے کہ کرنا کیا ہے اور ہونا کیا۔ کرنا یہ ہے کہ آدمی کچھ **مقررہ** اعمال کو بس رسمی طور پر دہرا لے۔ آدمی کی زبان کچھ الفاظ بولے مگر وہ الفاظ اس کے دل کی دھڑکن نہ بن رہے ہوں۔ آدمی اپنے ہاتھ پاؤں سے کچھ عمل کرے مگر اس کا عمل اس کی روح کو نہ چھوئے۔ اس کی حرکات و سکنات اس کے دل و دماغ میں ارتعاش نہ پیدا کریں۔ اس کے برعکس ہونا یہ ہے کہ آدمی کا عمل اس کے لئے روحانی تجربہ بن رہا ہو۔ اس کی اندرونی ہستی کو بار بار کیفی غذائیں مل رہی ہوں۔ اس کا جسمانی عمل اس کے غیر جسمانی وجود میں ہل چل پیدا کر رہا ہو۔ وہی کرتا کرنا ہے جس کے درمیان آدمی خود بھی کچھ ہو رہا ہو۔ جو کرنا ہونا نہ بنے، حقیقت کے اعتبار سے اس کی کوئی قیمت نہیں۔ وہ گویا ایک ایسا پتھر ہے جو بظاہر پانی سے بھیگ رہا ہے مگر پانی کا مزہ نہیں پاتا ہے۔

ایک خدا کے سوا تمام سہارے جھوٹے ثابت ہوں گے

• اور جن لوگوں نے انکار کیا ان سے قیامت کے دن کہا جائے گا : کیا تم کو میری باتیں سنائی نہیں جاتی تھیں۔ پھر تم نے گھمنڈ کیا اور مجرم بن کر رہے۔ اور جب کہا جاتا کہ اللہ کا وعدہ سچ ہے اور اس گھڑی کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ تو تم کہتے کہ ہم نہیں جانتے وہ گھڑی کیا ہے۔ ہم کو تو اس کا بس ایک خیال سا ہے اور ہم کو یقین نہیں ہوتا۔ اور کھل گئیں ان پر برائیاں ان کاموں کی جو وہ کرتے تھے۔ اور اب ان پر وہ چیز الٹ پڑی جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔ اور کہا جائے گا کہ آج ہم تم کو اسی طرح بھلا دیتے ہیں جس طرح تم اس دن کی ملاقات کو بھول گئے تھے۔ اور تمہارا ٹھکانا اب دوزخ ہے اور کوئی تم کو مدد دینے والا نہیں" ـــــ قرآن کی سورہ نمبر ۴۵ میں قیامت کا یہ منظر پیش کرنے کے بعد کہا گیا ہے :

ذالکم بانکم اتخذتم آیت اللہ ھزوا وغرتکم الحیٰوۃ الدنیا فالیوم لا یخرجون منہا ولا ھم یستعتبون (جاثیہ ۳۵)

یہ اس وجہ سے کہ تم نے اللہ کی باتوں کی ہنسی اڑائی اور تم کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال دیا۔ پس آج یہ لوگ نہ دوزخ سے نکالے جائیں گے اور نہ ان سے عذر قبول کیا جائے گا۔

ہر آدمی کسی نہ کسی ناز یا برتے پر جی رہا ہے۔ کسی کو یہ ناز ہے کہ اس کے پاس اقتدار ہے، کوئی اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ کسی کو یہ ناز ہے کہ اس کے پاس پیسہ ہے، اس کا کوئی کام اٹکا ہوا نہیں رہ سکتا۔ کسی کو یہ ناز ہے کہ اس کا اپنا حلقہ اور اس کے اپنے اعوان وانصار ہیں جو ہر موقع پر اس کی مدد کے لئے کافی ہیں۔ کسی کو یہ ناز ہے کہ وہ بزرگوں کا دامن تھامے ہوئے ہے، دنیا سے لے کر آخرت تک کہیں اس کا کچھ بگڑنے والا نہیں۔ کوئی کسی جماعت سے وابستہ ہے اور کوئی کسی ادارہ سے، کوئی عوامی قافلہ میں شریک ہے تو کوئی سرکاری قافلہ میں، غرض ہر ایک اپنے کو کسی نہ کسی سہارے پر کھڑا کئے ہوئے ہے اور اس کے ناز پر جی رہا ہے۔ یہی ناز یا غرہ دعوت حق سے بے پروائی برتنے کا سب سے بڑا سبب ہوتا ہے۔ اللہ کی باتیں کھلے کھلے دلائل کے ساتھ آدمی کے سامنے آتی ہیں۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ ان دلائل کا کوئی حقیقی جواب اس کے پاس نہیں ہے۔ مگر اس کے باوجود وہ اس کو نہیں مانتا۔ اس کا ناز اس کو جھوٹے بھروسہ کی نفسیات میں مبتلا رکھتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اگر میں اس دعوت کو نہ مانوں تو میرا کچھ بگڑنے والا نہیں۔ دلائل کے اعتبار سے خالی ہو کر بھی وہ اپنے جھوٹے سہارے کو پکڑے رہتا ہے۔ مگر جب قیامت آئے گی تو معلوم ہوگا کہ یہ سارے سہارے بالکل بے حقیقت تھے۔ انھوں نے دنیا میں خدا کی نشانیوں کی پروا نہ کی تو قیامت کے دن خدا بھی ان کی پروا نہ کرے گا۔ دنیا میں جھوٹے سہاروں پر جینے والے آخرت میں بالکل بے سہارا ہو کر رہ جائیں گے۔ ابدی بربادی ان پر ٹوٹ پڑے گی اور کوئی بھی چیز نہ ہوگی جو ان کو اس سے بچانے والی ثابت ہو ـــــ آدمی جہنم کے کنارے کھڑا ہوا ہے۔ مگر کسی نہ کسی گھڑے ہوئے سہارے کی بدولت وہ اپنے کو جہنم سے مامون سمجھے ہوئے ہے۔

کوئی شخص آگ سے کھیلنا چاہے تو فوراً اس کو معلوم ہو جاتا ہے کہ آگ جلانے والی چیز ہے، کھیلنے والی چیز نہیں۔ مگر لوگ کبر، ظلم، بے انصافی، نفسانیت، حق تلفی اور مصلحت پرستی جیسی چیزوں میں مشغول رہتے ہیں۔ انھیں محسوس نہیں ہوتا کہ وہ ایسے انگاروں سے کھیل رہے ہیں جو دنیا کی آگ سے کہیں زیادہ ہولناک ہے۔

دین کا اصل کام وہی ہے جو اپنے آپ سے شروع ہو۔ آدمی کے اندر احتساب اور خود فکری کا مزاج پیدا ہو۔ وہ موت کو یاد کرے اور آخرت کے لئے فکرمند ہو۔ اس قسم کا دین آدمی کے اندر پیدا ہوا یا نہیں، اس کی پہچان یہ ہے کہ آدمی کا بولنا کم ہو جائے۔ دوسروں سے زیادہ وہ اپنے بارے میں سوچنے لگے۔ شکایت اور اختلاف کے موقع پر وہ تواضع کا رویہ اختیار کرے۔ کسی سے معاملہ کرتے ہوئے وہ سمجھے کہ رب العالمین سے معاملہ کر رہا ہے خواہ وہ آدمی کمزور ہو یا طاقت ور۔

جب بھی کسی کو زمین پر چھوٹا یا بڑا اقتدار ملتا ہے، وہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس کا اقتدار ہمیشہ باقی رہے گا۔ حالاں کہ زمانہ نے کبھی کسی کے اس گمان کی تائید نہیں کی ہے۔ مگر حیرت انگیز بات ہے کہ اگلا شخص جو پہلے شخص کو قبر میں لٹاتا ہے وہ دوبارہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ اس کا اقتدار ہمیشہ زمین پر باقی رہے گا۔

آخرت وہ عالم ہے جہاں صداقتیں اپنی اصلی شکل میں کھول دی جائیں گی۔ دنیا میں سچائی کا اعلان اسی عالم آخرت کا لفظی اظہار ہوتا ہے جو موت یا قیامت کے بعد حقیقی طور پر بے نقاب کی جانے والی ہے۔ یہ دنیا والوں کے لئے آخرت کی ایک کھڑکی کھولنے کے ہم معنی ہے۔ ایسی حالت میں سچائی کے اعلان کو سن کر جو لوگ منفی ردعمل کا مظاہرہ کریں، انھیں ڈرنا چاہئے کہ کہیں وہ اپنے کو اس اندیشہ میں تو مبتلا نہیں کر رہے ہیں کہ اگلی دنیا میں وہ اس حال میں اٹھیں کہ وہ اندھے اور بہرے ہوں۔ دنیا میں وہ اس بات کا ثبوت نہ دے سکے کہ وہ آخرت والی حقیقتوں کو دیکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ پھر آخرت کی دنیا میں وہ آنکھ والے کیوں کر قرار پائیں گے۔

ساری دنیا میں کوئی ایک آدمی بھی ایسا نہ ملے گا جو آم کی گٹھلی کو آم سمجھے یا بیل کے چھلکے کو بیل سمجھ کر کھائے۔ مگر ساری دنیا میں بے شمار لوگ ہیں جو الفاظ شماری کو ذکر سمجھتے ہیں اور کوڑا مارنے کو اسلامی نظام۔ گٹھلی اور چھلکے کو پھل کہنے والا اسی دنیا کے بازار میں بے قیمت ہو جاتا ہے۔ اس لئے ہر ایک کو اس کا بے حقیقت ہونا معلوم ہے، کوئی شخص پھل کے بازار میں گٹھلی اور چھلکا لے کر بیٹھنے کی جرأت نہیں کرتا۔ دوسری طرف لاکھوں لوگ ہیں جو الفاظ شماری اور کوڑا ماری والے دین کے نام پر بڑی بڑی دکانیں سجائے ہوئے ہیں۔ انھیں اس کے بے حقیقت ہونے کی خبر نہیں۔ شاید صرف اس لئے کہ اس قسم کے سودے کا بے قیمت ہونا موت کے بعد ظاہر ہوتا ہے۔ پہلی چیز انسانوں کے بازار میں بے قیمت ہے اور دوسری چیز اللہ کے بازار میں۔

کام کسی ظاہری دھوم کا نام نہیں بلکہ اندرونی یافت کا نام ہے۔ کبھی کرنے سے زیادہ بڑا کام یہ ہوتا ہے کہ آدمی ٹھٹک کر رہ جائے۔ کبھی بولنے سے زیادہ اہمیت اس بات کی ہوتی ہے کہ آدمی پر چپ لگ گئی ہو۔ کبھی وہ چیز زیادہ قابلِ ذکر ہوتی ہے جو کسی اخبار میں نہ چھپے۔ کبھی وہ روداد زیادہ قیمتی ہوتی ہے جب کہ آدمی کی زبان سے الفاظ نہ نکلیں بلکہ اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک جائیں۔

کتنے لوگ آپ دیکھیں گے کہ وہ اپنی جوانی میں بڑے جوش و خروش میں نظر آتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ بھرے ہوئے اور پائے ہوئے انسان ہیں۔ مگر آخر عمر میں وہ بالکل بے آس ہو کر رہ گئے۔ ان کا بڑھاپا اس طرح گزرا جیسے ان کے پاس جینے کے لئے کچھ نہ ہو۔ جیسے وہ خالی ہاتھ ہوں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ خارجی کارناموں میں جی رہے تھے۔ خود اپنے میں نہیں جی رہے تھے۔ جب تک کارنامے دکھانے کے مواقع تھے وہ اپنے آپ کو بھرپور محسوس کرتے رہے اور جب کارنامے دکھانے کی طاقت نہ رہی تو وہ اس طرح ڈھ گئے جیسے ایک بے جڑ کا درخت تھا جو ہوا کا جھونکا لگتے ہی گر گیا۔

آدمی کا یہی حال آخرت میں ہوگا۔ جو لوگ دنیا کے تمام جھام کے سہارے قائم ہیں۔ جو کار اور بنگلہ اور شہرت اور استقبال اور اخباری سرخیوں میں جی رہے ہیں وہ موت کے بعد اچانک محسوس کریں گے کہ اب ان کے پاس کچھ نہیں رہا۔ وہ جینے کے تمام سہاروں سے محروم ہو گئے۔ آپ کے پاس صرف ظاہری رونقیں تھیں جن کو موت نے باطل کر دیا۔ اندرونی رونق آپ کے پاس تھی ہی نہیں جو موت کے بعد آپ کا ساتھ دے۔ ایسی حالت میں آپ کا انجام اس کے سوا اور کیا ہے کہ آخرت کے اندھیرے میں ابدی طور پر بھٹکتے رہیں۔

جنت ایک ایسی دنیا ہے جہاں ایک آدمی دوسرے آدمی کے بوائق (شرارتوں) سے محفوظ ہو۔ جہاں نفسیاتی پیچیدگیوں سے آزاد انسان بستے ہوں۔ جہاں کی فضاؤں میں انسانی احترام اور حقیقتوں کا اعتراف کامل درجہ میں پایا جاتا ہو۔ جہاں انسان پھولوں کی طرح مہکتے ہوں اور نسیم صبح کی طرح متحرک ہوتے ہوں۔ جہاں کا ماحول بغض، حسد، عصبیت، مفاد پرستی اور تنگ نظری سے بالکل ناآشنا ہو۔ جہاں خدا کی خدائی اور عبد کی عبدیت اپنی کامل ترین شکل میں نمایاں ہو۔ جنت ایسی ہی ایک لطیف اور نفیس دنیا ہوگی۔ موجودہ دنیا میں آدمی کا اصل کام یہی ہے کہ وہ اپنے اندر وہ اوصاف پیدا کرے جو اس کو جنت کی دنیا کا شہری بنا سکیں۔ کسی کو جنتی دنیا کا داخلہ اسی وقت مل سکتا ہے جب کہ اس نے وہاں کے ماحول کے مطابق شہری اوصاف اپنے اندر پیدا کئے ہوں۔ جو لوگ اپنے اندر یہ اوصاف پیدا کرنے میں ناکام رہیں وہ وہاں کی دنیا کے لئے اسی طرح نااہل رہیں گے جس طرح کوئی جاہل آدمی یونیورسٹی کی دنیا میں پروفیسری کے لئے۔ یونیورسٹی علم کی دنیا ہے۔ اس کی شہریت اسی شخص کو مل سکتی ہے جو علمی دنیا کے آداب کے مطابق زندگی گزارنے کی صلاحیت اپنے اندر پیدا کر چکا ہو۔ اسی طرح جنتی دنیا کی شہریت بھی اس کو ملے گی جو اس بات کا ثبوت دے کہ وہ جنتی کردار کے ساتھ رہنے کی استعداد رکھتا ہے۔

ایجنسی : ایک تعمیری اور دعوتی پروگرام

الرسالہ عام معنوں میں صرف ایک پرچہ نہیں ، وہ تعمیر ملت اور احیاء اسلام کی ایک مہم ہے جو آپ کو آواز دیتی ہے کہ آپ اس کے ساتھ تعاون فرمائیں ۔ اس مہم کے ساتھ تعاون کی سب سے آسان اور بے ضرر صورت یہ ہے کہ آپ الرسالہ کی ایجنسی قبول فرمائیں ۔

"ایجنسی" اپنے عام استعمال کی وجہ سے کاروباری لوگوں کی دلچسپی کی چیز سمجھی جانے لگی ہے ۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ایجنسی کا طریقہ دور جدید کا ایک مفید عطیہ ہے جس کو کسی فکر کی اشاعت کے لئے کامیابی کے ساتھ استعمال کیا جا سکتا ہے ۔ کسی فکری مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنے کی یہ ایک انتہائی ممکن صورت ہے اور اسی کے ساتھ اس فکر کو پھیلانے میں اپنا حصہ ادا کرنے کی ایک بے ضرر تدبیر بھی ۔

تجربہ یہ ہے کہ بیک وقت سال بھر کا زر تعاون روانہ کرنا لوگوں کے لئے مشکل ہوتا ہے ۔ مگر پرچہ سامنے موجود ہو تو ہر مہینے ایک پرچہ کی قیمت دے کر وہ بآسانی اس کو خرید لیتے ہیں ۔ ایجنسی کا طریقہ اسی امکان کو استعمال کرنے کی ایک کامیاب تدبیر ہے ۔ الرسالہ کی تعمیری اور اصلاحی آواز کو پھیلانے کی بہترین صورت یہ ہے کہ جگہ جگہ اس کی ایجنسی قائم کی جائے ۔ بلکہ ہمارا ہر ہمدرد اور متفق اس کی ایجنسی لے ۔ یہ ایجنسی گویا الرسالہ کو اس کے متوقع خریداروں تک پہنچانے کا ایک کارگر درمیانی وسیلہ ہے ۔

وقتی جوش کے تحت لوگ ایک "بڑی قربانی" دینے کے لئے بآسانی تیار ہو جاتے ہیں ۔ مگر حقیقی کامیابی کا راز ان چھوٹی چھوٹی قربانیوں میں ہے جو سنجیدہ فیصلہ کے تحت لگا تار دی جائیں ۔ ایجنسی کا طریقہ اس پہلو سے بھی اہم ہے یہ ملت کے افراد کو اس کی مشق کراتا ہے کہ ملت کے افراد چھوٹے چھوٹے کاموں کو کام سمجھنے لگیں ۔ ان کے اندر یہ حوصلہ پیدا ہو کہ وہ مسلسل عمل کے ذریعہ نتیجہ حاصل کرنا چاہیں نہ کہ یکبارگی اقدام سے ۔

ایجنسی کی صورتیں

پہلی صورت ——— الرسالہ کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے ۔ کمیشن ۲۵ فی صد ہے ۔ پیکنگ اور روانگی کے اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمہ ہوتے ہیں ۔ مطلوبہ پرچے کمیشن وضع کر کے بذریعہ وی پی روانہ کئے جاتے ہیں ۔ اس اسکیم کے تحت ہر شخص ایجنسی لے سکتا ہے ۔ اگر اس کے پاس کچھ پرچے فروخت ہونے سے رہ گئے ہیں تو اس کو پوری قیمت کے ساتھ واپس لے لیا جائے گا ۔

دوسری صورت ——— الرسالہ کے پانچ پرچوں کی قیمت بعد وضع کمیشن ساڑھے سات روپیہ ہوتی ہے ۔ جو لوگ صاحب استطاعت ہیں وہ اسلامی خدمت کے جذبہ کے تحت اپنی ذمہ داری پر پانچ پرچوں کی ایجنسی قبول فرمائیں ۔ خریدار ملیں یا نہ ملیں ، ہر حال میں پانچ پرچے منگوا کر ہر ماہ لوگوں کے درمیان تقسیم کریں ۔ اور اس کی قیمت خواہ سالانہ نوے روپے یا ماہانہ ساڑھے سات روپے دفتر الرسالہ کو روانہ فرمائیں ۔

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو سارے جہان کا مالک ہے۔ بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔ انصاف کے دن کا مالک ہے۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔ ہم کو سیدھا راستہ دکھا۔ ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے فضل کیا۔ ان کا راستہ نہیں جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ ان لوگوں کا راستہ جو راستہ سے بھٹک گئے۔

بندے کے لئے کسی کام کا سب سے بہتر آغاز یہ ہے کہ وہ اپنے کام کو اپنے رب کے نام سے شروع کرے۔ وہ ہستی جو تمام رحمتوں کا خزانہ ہے اور جس کی رحمتیں ہر وقت ابلتی رہتی ہیں، اس کے نام سے کسی کام کا آغاز کرنا گویا اس سے یہ دعا کرنا ہے کہ تو اپنی بے پایاں رحمتوں کے ساتھ میری مدد پر آجا اور میرے کام کو خیر و خوبی کے ساتھ مکمل کردے۔ یہ بندے کی طرف سے اپنی بندگی کا اعتراف ہے اور اسی کے ساتھ اس کی کامیابی کی الٰہی ضمانت بھی۔

قرآن کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ مومن کے قلبی احساسات کے لئے صحیح ترین الفاظ مہیا کرتا ہے۔ بسم اللہ اور سورہ فاتحہ اسی نوعیت کے دعائیہ کلام ہیں۔ سچائی کو پالینے کے بعد فطری طور پر آدمی کے اندر جو جذبہ ابھرتا ہے، اسی جذبہ کو ان الفاظ میں مجسم کر دیا گیا ہے۔

آدمی کا وجود اس کے لئے اللہ کا ایک عظیم عطیہ ہے۔ اس کی عظمت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اگر کسی آدمی سے کہا جائے کہ تم اپنی دونوں آنکھوں کو نکلوا دو یا دونوں پیروں کو کٹوا دو، اس کے بعد تم کو ملک کی بادشاہی دے دی جائے گی تو کوئی بھی شخص اس کے لئے تیار نہ ہوگا۔ گویا کہ یہ ابتدائی قدرتی عطیے بھی بادشاہ کی بادشاہی سے زیادہ قیمتی ہیں۔ اسی طرح آدمی جب اپنے گرد و پیش کی دنیا کو دیکھتا ہے تو یہاں ہر طرف خدائی مالکیت اور رحیمیت ابلتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ اس کو ہر طرف غیر معمولی اہتمام نظر آتا ہے۔ اس کو دکھائی دیتا ہے کہ دنیا کی تمام چیزیں حیرت انگیز طور پر انسانی زندگی کے موافق بنا دی گئی ہیں۔ یہ مشاہدہ اس کو بتاتا ہے کہ کائنات کا یہ عظیم کارخانہ بے مقصد نہیں ہو سکتا۔ لازمی طور پر ایسا دن آنا چاہئے جب ناشکروں سے ان کی ناشکر گزار زندگی کی بازپرس کی جائے اور شکر گزاروں کو ان کی شکر گزار زندگی کا انعام دیا جائے۔ وہ بے اختیار کہہ اٹھتا ہے کہ خدایا! تو فیصلہ کے دن کا مالک ہے۔ میں اپنے آپ کو تیرے آگے ڈالتا ہوں اور تجھ سے مدد چاہتا ہوں، تو مجھ کو اپنے سایہ میں لے لے۔ خدایا! ہم کو وہ راستہ دکھا جو تیرے نزدیک سچا راستہ ہے۔ ہم کو اس راستہ پر چلنے کی توفیق دے جو تیرے مقبول بندوں کا راستہ ہے۔ ہم کو اس راستہ سے بچا جو بھٹکے ہوئے لوگوں کا راستہ ہے یا ان لوگوں کا جو اپنی ڈھٹائی کی وجہ سے تیرے غضب کا شکار ہو جاتے ہیں۔

اللہ کا مطلوب بندہ وہ ہے جو ان احساسات و کیفیات کے ساتھ دنیا میں جی رہا ہو۔ سورۂ فاتحہ اس بندۂ مومن کی چھوٹی تصویر ہے اور بقیہ قرآن اس بندۂ مومن کی بڑی تصویر۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥

الف لام میم ۔ یہ اللہ کی کتاب ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ راہ دکھاتی ہے ڈر رکھنے والوں کو۔ جو یقین کرتے ہیں بن دیکھے اور نماز قائم کرتے ہیں۔ اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور جو ایمان لاتے ہیں اس پر جو تمھارے اوپر اترا اور جو تم سے پہلے اتارا گیا۔ اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ انھیں لوگوں نے اپنے رب کی راہ پائی ہے اور وہی کامیابی کو پہنچنے والے ہیں ھ۔ ۱

اس میں شک نہیں کہ قرآن ہدایت کی کتاب ہے۔ مگر وہ ہدایت کی کتاب اس کے لئے ہے جو فی الواقع ہدایت کو جاننے کے معاملہ میں سنجیدہ ہو، جو اس کی پروا اور کھٹک رکھتا ہو۔ سچی طلب جو فطرت کی زمین پر اگتی ہے وہ خود پانے ہی کا ایک آغاز ہوتا ہے۔ سچی طلب اور سچی یافت دونوں ایک ہی سفر کے پچھلے اور اگلے مرحلے ہیں۔ یہ گویا خود اپنی فطرت کے بند صفحات کو کھولنا ہے۔ جب آدمی اس کا سچا ارادہ کرتا ہے تو فوراً فطرت کی مطابقت اور اللہ کی نصرت اس کا ساتھ دینے لگتی ہے، اس کو اپنی فطرت کی مبہم پکار کا متعین جواب ملنا شروع ہو جاتا ہے۔

ایک آدمی کے اندر سچی طلب کا جاگنا عالم ظاہر کے پیچھے عالم باطن کو دیکھنے کی کوشش کرنا ہے۔ یہ تلاش جب یافت کے مرحلہ میں پہنچتی ہے تو وہ ایمان بالغیب بن جاتی ہے۔ وہی چیز جو ابتدائی مرحلہ میں ایک برتر حقیقت کے آگے اپنے کو ڈال دینے کی بے قراری کا نام ہوتا ہے وہ بعد کے مرحلہ میں اللہ کا نمازی بننے کی صورت میں ڈھل جاتا ہے۔ وہی جذبہ جو ابتداءً اپنے کو خیر اعلیٰ کے لئے وقف کر دینے کے ہم معنی ہوتا ہے وہ بعد کے مرحلہ میں اللہ کی راہ میں اپنے اثاثہ کو خرچ کرنے کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ وہی کھوج جو زندگی کے ہنگاموں کے آگے اس کا آخری انجام معلوم کرنے کی صورت میں کسی کے اندر ابھرتی ہے وہ آخرت پر یقین کی صورت میں اپنے سوال کا جواب پا لیتی ہے۔

سچائی کو پانا گویا اپنے شعور کو حقیقت اعلیٰ کے ہم سطح کر لینا ہے۔ جو لوگ اس طرح حق کو پالیں وہ ہر قسم کی نفسیاتی گرہوں سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ وہ سچائی کو اس کے بے آمیز روپ میں دیکھنے لگتے ہیں، اس لئے سچائی جہاں بھی ہو اور جس بندۂ خدا کی زبان سے اس کا اعلان کیا جا رہا ہو وہ فوراً اس کو پہچان لیتے ہیں اور اس پر لبیک کہتے ہیں۔ کوئی جمود، کوئی تقلید اور کوئی تعصباتی دیوار ان کے لئے اعتراف حق میں رکاوٹ نہیں بنتی۔ جن لوگوں کے اندر یہ خصوصیات ہیں وہ اللہ کے سایہ میں آجاتے ہیں ۔ اللہ کا بنایا ہوا نظام ان کو قبول کر لیتا ہے ان کو دنیا میں اس سچے راستہ پر چلنے کی توفیق مل جاتی ہے جس کی آخری منزل یہ ہے کہ آدمی آخرت کی ابدی نعمتوں میں داخل ہو جائے۔

حق کو وہی پا سکتا ہے جو اس کا ڈھونڈنے والا ہے اور جو ڈھونڈنے والا ہے وہ ضرور اس کو پاتا ہے۔ یہاں ڈھونڈنے اور پانے میں کوئی فاصلہ نہیں۔

جن لوگوں نے انکار کیا، ان کے لئے یکساں ہے ڈراؤ یا نہ ڈراؤ، وہ ماننے والے نہیں ہیں۔ اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے۔ اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے ۷-۶

ایک شخص اپنی آنکھ کو بند کرلے تو آنکھ رکھتے ہوئے بھی وہ سورج کو نہ دیکھے گا۔ کوئی شخص اپنے کان میں روئی ڈال لے تو کان رکھتے ہوئے بھی وہ باہر کی آواز کو نہیں سنے گا۔ ایسا ہی کچھ معاملہ حق کا بھی ہے۔ حق کا اعلان خواہ کتنا ہی واضح صورت میں ہو رہا ہو مگر کسی کے لئے وہ قابل فہم یا قابل قبول اس وقت بنتا ہے جب کہ وہ اس کے لئے اپنے دل کے دروازے کھلا رکھے۔ جو شخص اپنے دل کے دروازے بند کرلے، اس کے لئے کائنات میں خدا کی خاموش پکار اور پیغمبر کی زبان سے اس کا لفظی اعلان دونوں بے سود ثابت ہوں گے۔

حق کی دعوت جب اپنی بے آمیز شکل میں اٹھتی ہے تو وہ اتنا زیادہ مبنی بر حقیقت اور اتنا زیادہ مطابق فطرت ہوتی ہے کہ کوئی شخص اس کی نوعیت کو سمجھنے سے عاجز نہیں رہ سکتا۔ جو شخص بھی کھلے ذہن سے اس کو دیکھے گا اس کا دل گواہی دے گا کہ یہ عین حق ہے۔ مگر اس وقت عملی صورت حال یہ ہوتی ہے کہ ایک طرف وقت کا ڈھانچہ ہوتا ہے جو صدیوں کے عمل سے ایک خاص صورت میں قائم ہو جاتا ہے۔ اس ڈھانچہ کے تحت کچھ مذہبی یا غیر مذہبی گدیاں بن جاتی ہیں جن پر کچھ لوگ بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں۔ کچھ عزت و شہرت کی صورتیں رائج ہو جاتی ہیں جن کے جھنڈے اٹھا کر کچھ لوگ وقت کے اکابر کا مقام حاصل کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ کچھ کاروبار اور مفادات قائم ہو جاتے ہیں جن کے ساتھ اپنے کو وابستہ کرکے بہت سے لوگ اطمینان کی زندگی گزار رہے ہوتے ہیں۔

ان حالات میں جب ایک غیر معروف کونے سے اللہ اپنے ایک بندے کو کھڑا کرتا ہے اور اس کی زبان سے اپنی مرضی کا اعلان کراتا ہے تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اس قسم کے لوگوں کو اپنی بنی بنائی دنیا بھنگ ہوتی نظر آتی ہے۔ حق کے پیغام کی تمام تر صداقت کے باوجود دو چیزیں ان کے لئے اس کو صحیح طور پر سمجھنے میں رکاوٹ بن جاتی ہیں۔ ایک کبر، دوسرے دنیا پرستی۔ جو لوگ مروجہ ڈھانچہ میں بڑائی کے مقامات پر بیٹھے ہوئے ہوں ان کو ایک "چھوٹے آدمی" کی بات ماننے میں اپنی عزت خطرہ میں پڑتی ہوئی نظر آتی ہے۔ یہ احساس ان کے اندر گھمنڈ کی نفسیات جگا دیتا ہے۔ داعی کو وہ اپنے مقابلہ میں حقیر سمجھ کر اس کی دعوت کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اسی طرح دنیوی مفادات کا سوال بھی قبول حق میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ کیونکہ حق کا داعی مروجہ ڈھانچہ کا نمائندہ نہیں ہوتا۔ وہ ایک نئی اور غیر مانوس آواز کو لے کر اٹھتا ہے، اس لئے اس کو ماننے کی صورت میں لوگوں کو اپنے مفادات کا ڈھانچہ ٹوٹتا ہوا نظر آتا ہے۔

یہی وہ مانع کیفیت ہے جس کو قرآن میں مہر لگانے سے تعبیر کیا گیا ہے، جو لوگ دعوت حق کے معاملہ کو سنجیدہ معاملہ نہ سمجھیں۔ جو گھمنڈ اور دنیا پرستی کی نفسیات میں مبتلا ہوں ان کے ذہن کے اوپر ایسے غیر محسوس پردے پڑ جاتے ہیں جو حق بات کو ان کے ذہن میں داخل نہیں ہونے دیتے۔ کسی چیز کے بارے میں آدمی کے اندر مخالفانہ نفسیات جاگ اٹھیں تو اس کے بعد وہ اس کی معقولیت کو سمجھ نہیں پاتا۔ خواہ اس کے حق میں کتنے ہی واضح دلائل پیش کئے جا رہے ہوں۔

اور لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور آخرت کے دن پر، حالاں کہ وہ ایمان والے نہیں ہیں۔ وہ اللہ کو اور مومنین کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ مگر وہ صرف اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔ ان کے دلوں میں روگ ہے تو اللہ نے ان کے روگ کو بڑھا دیا۔ اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ کہتے تھے۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ آگاہ، یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں مگر وہ نہیں سمجھتے۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی اسی طرح ایمان لے آؤ جس طرح اور لوگ ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں کہ کیا ہم اس طرح ایمان لائیں جس طرح بے وقوف لوگ ایمان لائے ہیں۔ آگاہ، کہ بے وقوف یہی لوگ ہیں مگر وہ نہیں جانتے۔ اور جب وہ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اور جب اپنے شیطانوں کی مجلس میں پہنچتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمھارے ساتھ ہیں۔ ہم تو ان سے محض ہنسی کرتے ہیں۔ اللہ ان سے ہنسی کر رہا ہے اور ان کو ان کی سرکشی میں ڈھیل دے رہا ہے، وہ بھٹکتے پھر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے راہ کے بدلے گمراہی خریدی تو ان کی تجارت سودمند نہ ہوئی اور وہ نہ ہوئے راہ پانے والے ۱۶-۸

جو لوگ فائدوں اور مصلحتوں کو اولین اہمیت دئے ہوئے ہوتے ہیں ان کے نزدیک یہ نادانی کی بات ہوتی ہے کہ کوئی شخص تحفظات کے بغیر اپنے آپ کو ہمہ تن حق کے حوالے کر دے۔ ایسے لوگوں کی حقیقی وفاداریاں اپنے دنیوی مفادات کے ساتھ ہوتی ہیں۔ البتہ اسی کے ساتھ وہ حق سے بھی اپنا ایک ظاہری رشتہ قائم کر لیتے ہیں۔ اس کو وہ عقل مندی سمجھتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح ان کی دنیا بھی محفوظ ہے اور اسی کے ساتھ ان کو حق پرستی کا تمغہ بھی حاصل ہے۔ مگر یہ ایک ایسی خوش فہمی ہے جو صرف آدمی کے اپنے دماغ میں ہوتی ہے۔ اس کے دماغ کے باہر کہیں اس کا وجود نہیں ہوتا۔ آزمائش کا ہر موقع ان کو سچے دین سے کچھ اور دور اور اپنے مفاد پرستانہ دین سے کچھ اور قریب کر دیتا ہے۔ اس طرح گویا ان کے نفاق کا مرض بڑھتا رہتا ہے۔ ایسے لوگ جب سچے مسلمانوں کو دیکھتے ہیں تو ان کا احساس یہ ہوتا ہے کہ وہ خواہ مخواہ سچائی کی خاطر اپنے کو برباد کر رہے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں اپنے طریقے کو وہ اصلاح کا طریقہ کہتے ہیں۔ کیوں کہ ان کو نظر آتا ہے کہ اس طرح کسی سے جھگڑا مول لئے بغیر اپنے سفر کو کامیابی کے ساتھ طے کیا جا سکتا ہے۔ مگر یہ صرف بے شعوری کی بات ہے۔ اگر وہ گہرائی کے ساتھ سوچیں تو ان پر کھلے گا کہ اصلاح یہ ہے کہ بندے صرف اپنے رب کے ہو جائیں۔ اس کے برعکس فساد یہ ہے کہ خدا اور بندے کے تعلق کو درست کرنے کے لئے جو تحریک چلے اس میں روڑے اٹکائے جائیں۔ ان کا یہ بظاہر نفع کا سودا حقیقۃً گھاٹے کا سودا ہے۔ کیونکہ وہ بے آمیز حق کو چھوڑ کر ملاوٹی حق کو اپنے لئے پسند کر رہے ہیں جو کسی کے کچھ کام آنے والا نہیں۔ اپنے دنیوی معاملات میں ہوشیار ہونا اور آخرت کے معاملہ میں سرسری توقعات کو کافی سمجھنا گویا خدا کے سامنے جھوٹ بولنا ہے۔ جو لوگ ایسا کریں ان کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ اس قسم کی جھوٹی زندگی آدمی کو اللہ کے یہاں عذاب کے سوا کسی اور چیز کا مستحق نہیں بناتی۔

ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے آگ جلائی۔ جب آگ نے اس کے اردگرد کو روشن کر دیا تو اللہ نے ان کی بینائی سلب کر لی اور ان کو اندھیرے میں چھوڑ دیا کہ ان کو کچھ نظر نہیں آتا۔ وہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں۔ اب یہ لوٹنے والے نہیں ہیں۔ یا ان کی مثال ایسی ہے جیسے آسمان سے بارش ہو رہی ہو، اس میں تاریکی بھی ہو اور گرج چمک بھی۔ وہ کڑک سے ڈر کر موت سے بچنے کے لئے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس رہے ہوں۔ حالاں کہ اللہ منکروں کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے۔ قریب ہے کہ بجلی ان کی نگاہوں کو اچک لے۔ جب بھی ان پر بجلی چمکتی ہے، اس میں وہ چل پڑتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے تو وہ رک جاتے ہیں۔ اور اگر اللہ چاہے تو ان کے کان اور ان کی آنکھوں کو سلب کرلے۔ اللہ یقیناً ہر چیز پر قادر ہے ۲۰ - ۱۷

کسی کمرہ میں کالی اور سفید چیزیں ہوں تو جب تک اندھیرا ہے وہ اندھیرے میں گم رہیں گی۔ مگر روشنی جلاتے ہی کالی چیز کالی اور سفید چیز سفید دکھائی دینے لگے گی۔ یہی حال اللہ کی طرف سے اٹھنے والی دعوت نبوت کا ہے۔ یہ خدائی روشنی جب ظاہر ہوتی ہے تو اس کے اجالے میں ہدایت اور ضلالت صاف صاف دکھائی دینے لگتی ہیں۔ نیک عمل کیا ہے اور اس کے ثمرات کیا ہیں، برا عمل کیا ہے اور اس کے ثمرات کیا ہیں، سب کھل کر ٹھیک ٹھیک سامنے آجاتا ہے۔ مگر جو لوگ اپنے آپ کو حق کے تابع کرنے کے بجائے حق کو اپنا تابع بنائے ہوئے تھے، وہ اس صورت حال کو دیکھ کر گھبرا اٹھتے ہیں۔ ان کا چھپا ہوا حسد اور گھمنڈ زندہ ہو کر ان کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ خدائی آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھتے ہی ان کی منفی نفسیات ابھر آتی ہیں۔ ان کے اندرونی تعصبات ان کے حواس پر اس طرح چھا جاتے ہیں کہ آنکھ، کان، زبان رکھتے ہوئے بھی وہ ایسے ہو جاتے ہیں گویا کہ وہ اندھے ہیں، وہ بہرے ہیں، وہ گونگے ہیں۔ اب وہ نہ تو کسی پکارنے والے کی پکار کو سن سکتے ہیں، نہ اس کی پکار کا جواب دے سکتے ہیں نہ کسی قسم کی نشانی سے رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔ ان کے لئے صحیح رویہ یہ تھا کہ وہ پکارنے والے کی پکار پر غور کرتے۔ مگر اس کے بجائے انھوں نے اس سے بچنے کا سادہ سا علاج یہ دریافت کیا ہے کہ اس کی بات کو سرے سے سنا ہی نہ جائے، اس کو کوئی اہمیت ہی نہ دی جائے۔

اسی طرح ایک اور نفسیات ہے جو حق کو قبول کرنے میں رکاوٹ بنتی ہے۔ یہ ڈر کی نفسیات ہے۔ بارش اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ مگر بارش جب آتی ہے تو اپنے ساتھ کڑک اور گرج بھی لے آتی ہے جس سے کمزور لوگ ہیبت کھا جاتے ہیں۔ اسی طرح جب اللہ کی طرف سے حق کی دعوت اٹھتی ہے تو ایک طرف اگر وہ انسانوں کے لئے عظیم کامیابیوں کا امکان کھولتی ہے تو دوسری طرف اس میں کچھ وقتی اندیشے بھی دکھائی دیتے ہیں ——— اس کو مان لینے کی صورت میں اپنی بڑائی کا خاتمہ، زندگی کے بنے بنائے نقشہ کو بدلنے کی ضرورت، رواجی ڈھانچہ سے ٹکراؤ کے مسائل آخرت کے بارے میں خوش خیالیوں کے بجائے حقائق پر بھروسہ کرنا۔ اس قسم کے اندیشوں کو دیکھ کر وہ کبھی رک جاتے ہیں اور کبھی تذبذب کے ساتھ چند قدم آگے بڑھتے ہیں۔ مگر یہ احتیاطیں ان کے کچھ بھی کام آنے والی نہیں ہیں کیونکہ خدائی پکار کے لئے اپنے کو کھلے دل سے پیش نہ کر کے وہ زیادہ شدید طور پر اپنے کو خدا کی نظر میں قابل سزا بنا رہے ہیں۔

اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تم کو پیدا کیا اور ان لوگوں کو بھی جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں تاکہ تم دوزخ سے بچ جاؤ۔ وہ ذات جس نے زمین کو تمھارے لئے بچھونا بنایا اور آسمان کو چھت بنایا، اور اتارا آسمان سے پانی اور اس سے پیدا کئے پھل تمھاری غذا کے لئے۔ پس تم کسی کو اللہ کے برابر نہ ٹھہراؤ حالاں کہ تم جانتے ہو۔ اگر تم اس کلام کے متعلق شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندے کے اوپر اتارا ہے تو لاؤ اس کے مانند ایک سورہ اور بلالو اپنے حمایتیوں کو بھی اللہ کے سوا، اگر تم سچے ہو۔ پس اگر تم یہ نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن بنیں گے آدمی اور پتھر۔ وہ تیار کی گئی ہے کافروں کے لئے۔ اور خوش خبری دے دو ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک کام کئے اس بات کی کہ ان کے لئے ایسے باغ ہوں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ جب بھی ان کو ان باغوں میں سے کوئی پھل کھانے کو ملے گا تو وہ کہیں گے: یہ وہی ہے جو اس سے پہلے ہم کو دیا گیا تھا۔ اور ملے گا ان کو ایک دوسرے سے ملتا جلتا۔ اور ان کے لئے وہاں ستھری عورتیں ہوں گی۔ اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ۲۵-۲۱

انسان اور انسان کے سوا جو کچھ زمین و آسمان میں ہے سب کا پیدا کرنے والا صرف اللہ ہے۔ اس نے پوری کائنات کو نہایت حکمت کے ساتھ قائم کیا ہے۔ وہ ہر آن ان کی پرورش کر رہا ہے۔ اس لئے انسان کے لئے صحیح رویہ صرف یہ ہے کہ وہ اللہ کو بغیر کسی شرکت کے خالق، مالک اور رازق تسلیم کرے، وہ اس کو اپنا سب کچھ بنالے۔ مگر خدا چونکہ نظر نہیں آتا اس لئے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کسی نظر آنے والی چیز کو اہم سمجھ کر اس کو خدائی کے مقام پر بٹھا لیتا ہے۔ وہ ایک مخلوق کو، جزئی یا کلی طور پر، خالق کے برابر ٹھہرا لیتا ہے، کبھی اس کو خدا کا نام دے کر اور کبھی خدا کا نام دئے بغیر۔

یہی انسان کی اصل گمراہی ہے۔ پیغمبر کی دعوت یہ ہوتی ہے کہ آدمی صرف ایک خدا کو بڑائی کا مقام دے۔ اس کے علاوہ جس جس کو اس نے خدائی عظمت کے مقام پر بٹھا رکھا ہے اس کو عظمت کے مقام سے اتار دے۔ جب خالص خدا پرستی کی دعوت اٹھتی ہے تو وہ تمام لوگ اپنے اوپر اس کی زد پڑتی ہوئی محسوس کرنے لگتے ہیں جن کا دل خدا کے سوا کہیں اور اٹکا ہوا ہو۔ جنھوں نے خدا کے سوا کسی اور کے لئے بھی عظمت کو خاص کر رکھا ہو۔ ایسے لوگوں کو اپنے فرضی معبودوں سے جو شدید تعلق ہو چکا ہوتا ہے اس کی وجہ سے ان کے لئے یہ یقین کرنا مشکل ہوتا ہے کہ وہ بے حقیقت ہیں اور حقیقت صرف اس پیغام کی ہے جو آدمیوں میں سے ایک آدمی کی زبان سے سنایا جا رہا ہے۔

جو دعوت خدا کی طرف سے اٹھے اس کے اندر لازمی طور پر خدائی شان شامل ہو جاتی ہے۔ اس کا ناقابل تقلید اسلوب اور اس کا غیر مفتوح استدلال اس بات کی کھلی علامت ہوتا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے ہے۔ اس کے باوجود جو لوگ انکار کریں ان کو خدا کی دنیا میں جہنم کے سوا کہیں اور پناہ نہیں مل سکتی۔ البتہ جو لوگ خدا کے کلام میں خدا کو پالیں انھوں نے گویا آج کی دنیا میں کل کی دنیا کو دیکھ لیا۔ یہی لوگ ہیں جو آخرت کے باغوں میں داخل کئے جائیں گے۔

اللہ اس سے نہیں شرماتا کہ بیان کرے مثال مچھر کی یا اس سے بھی کسی چھوٹی چیز کی۔ پھر جو ایمان والے ہیں وہ جانتے ہیں کہ وہ حق ہے ان کے رب کی جانب سے۔ اور جو منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس مثال کو بیان کر کے اللہ نے کیا چاہا ہے۔ اللہ اس کے ذریعہ بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو اس سے راہ دکھاتا ہے۔ اور وہ گمراہ کرتا ہے ان لوگوں کو جو نافرمانی کرنے والے ہیں۔ جو اللہ کے عہد کو اس کے باندھنے کے بعد توڑتے ہیں اور اس چیز کو توڑتے ہیں جس کو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے اور زمین میں بگاڑ پیدا کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں نقصان اٹھانے والے۔ تم کس طرح اللہ کا انکار کرتے ہو حالاں کہ تم بے جان تھے تو اس نے تم کو زندگی عطا کی۔ پھر وہ تم کو موت دے گا۔ پھر زندہ کرے گا۔ پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ وہی ہے جس نے تمھارے لئے وہ سب کچھ پیدا کیا جو زمین میں ہے۔ پھر آسمان کی طرف توجہ کی اور سات آسمان درست کئے۔ اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے ۲۹ - ۲۶

کسی بندہ کے اوپر اللہ کا سب سے پہلا حق یہ ہے کہ وہ عبدیت کے اس عہد کو نبھائے جو پیدا کرنے والے اور پیدا کئے جانے والے کے درمیان اول روز سے قائم ہو چکا ہے۔ پھر انسانوں کے درمیان وہ اس طرح رہے کہ وہ ان تمام رشتوں اور تعلقات کو پوری طرح استوار کئے ہوئے ہو جن کے استوار کئے جانے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ تیسری چیز یہ کہ جب خدا اپنے ایک بندہ کی زبان سے اپنے پیغام کا اعلان کرائے تو اس کے خلاف بے بنیاد باتیں نکال کر خدا کے بندوں کو اس سے بدکایا نہ جائے۔ حق کی دعوت دینا دراصل لوگوں کو حالتِ فطری پر لانے کی کوشش کرنا ہے۔ اس لئے جو شخص لوگوں کو اس سے روکتا ہے وہ زمین میں فساد ڈالنے کا مجرم بنتا ہے۔

اللہ کا یہ احسان کہ وہ آدمی کو عدم سے وجود میں لے آیا، اتنا بڑا احسان ہے کہ آدمی کو ہمہ تن اس کے آگے بچھ جانا چاہئے۔ پھر اللہ نے انسان کو پیدا کر کے یونہی چھوڑ نہیں دیا بلکہ اس کو رہنے کے لئے ایک ایسی زمین دی جو اس کے لئے انتہائی طور پر موافق ڈھنگ سے بنائی گئی تھی۔ پھر بات صرف اتنی ہی نہیں ہے۔ بلکہ اس سے بہت آگے کی ہے۔ انسان ہر وقت اس نازک امکان کے کنارے کھڑا ہوا ہے کہ اس کی موت آجائے اور اچانک وہ مالکِ کائنات کے سامنے حساب کتاب کے لئے پیش کر دیا جائے۔ ان باتوں کا تقاضا ہے کہ آدمی ہمہ تن اللہ کا ہو جائے، اس کی یاد اور اس کی اطاعت میں زندگی گزارے۔ ساری عمر وہ اس کا بندہ بنا رہے۔

پیغمبرانہ دعوت کے انتہائی واضح اور مدلل ہونے کے باوجود کیوں بہت سے لوگ اس کو قبول نہیں کر پاتے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ شوشے نکالنے کا فتنہ ہے۔ آدمی کے اندر نصیحت پکڑنے کا ذہن نہ ہو تو وہ کسی بات کو سنجیدگی کے ساتھ نہیں لیتا ایسے آدمی کے سامنے جب بھی کوئی دلیل آتی ہے تو وہ اس کو سطحی طور پر دیکھ کر ایک شوشہ نکال لیتا ہے۔ اس طرح وہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ دعوت کوئی معقول دعوت نہیں ہے۔ اگر وہ معقول دعوت ہوتی تو کیسے ممکن تھا کہ اس میں اس قسم کی بے وزن باتیں شامل ہوں۔ مگر جو نصیحت پکڑنے والے ذہن ہیں جو باتوں پر سنجیدگی سے غور کرتے ہیں، ان کو حق کے پہچاننے میں دیر نہیں لگتی، خواہ حق کو "مچھر" جیسی مثالوں ہی میں کیوں نہ بیان کیا گیا ہو۔

اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ فرشتوں نے کہا: کیا تو زمین میں ایسے لوگوں کو بسائے گا جو اس میں فساد کریں اور خون بہائیں = اور ہم تیری حمد کرتے ہیں اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں۔ اللہ نے کہا میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اور اللہ نے سکھا دئے آدم کو سارے نام، پھر ان کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ اگر تم سچے ہو تو مجھے ان لوگوں کے نام بتاؤ۔ فرشتوں نے کہا کہ تو پاک ہے۔ ہم تو وہی جانتے ہیں جو تو نے ہم کو بتایا۔ بے شک تو ہی علم والا اور حکمت والا ہے۔ اللہ نے کہا اے آدم! ان کو بتاؤ ان لوگوں کے نام۔ تو جب آدم نے بتائے ان کو ان لوگوں کے نام تو اللہ نے کہا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ آسمانوں اور زمین کے بھید کو میں ہی جانتا ہوں۔ اور مجھ کو معلوم ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو ۳۳-۳۰

خلیفہ کے لفظی معنی ہیں کسی کے بعد اس کی جگہ لینے والا، جانشین۔ وراثتی اقتدار کے زمانہ میں یہ لفظ کثرت سے حکمرانوں کے لئے استعمال ہوا جو ایک کے بعد دوسرے کی جگہ تخت پر بیٹھتے تھے۔ اس طرح استعمالی مفہوم کے لحاظ سے خلیفہ کا لفظ صاحب اقتدار کے ہم معنی ہوگیا۔

اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو پیدا کیا تو یہ بھی فیصلہ فرمایا کہ وہ ایک با اختیار مخلوق کی حیثیت سے زمین پر آباد ہوگا۔ فرشتوں کو اندیشہ ہوا کہ اختیار و اقتدار پاکر انسان بگڑ نہ جائے اور زمین میں خوں ریزی کرنے لگے۔ فرشتوں کا یہ اندیشہ غلط نہ تھا۔ اللہ کو بھی اس امکان کا پورا علم تھا۔ مگر اللہ کی نظر اس بات پر تھی کہ انسانوں میں اگر بہت سے لوگ آزادی پاکر بگڑیں گے تو ایک قابل لحاظ تعداد ان لوگوں کی بھی ہوگی جو آزادی اور اختیار کے باوجود اپنی حیثیت کو اور اپنے رب کے مقام کو پہچانیں گے اور کسی دباؤ کے بغیر خود اپنے ارادہ سے تسلیم و اطاعت کا طریقہ اختیار کریں گے۔ یہ دوسری قسم کے لوگ اگرچہ نسبتاً کم تعداد میں ہوں گے مگر وہ فصل کے دانوں کی طرح قیمتی ہوں گے۔ فصل میں لکڑی اور بھس کی مقدار ہمیشہ بہت زیادہ ہوتی ہے۔ مگر دانے، کم ہونے کے باوجود، اتنے قیمتی ہوتے ہیں کہ ان کی خاطر لکڑی اور بھس کے ڈھیر کو بھی اُگنے اور پھیلنے کا موقع دے دیا جاتا ہے۔

اللہ نے اپنی قدرت سے آدم کی تمام ذریت کو بیک وقت ان کے سامنے کر دیا۔ پھر فرشتوں سے کہا کہ دیکھو یہ ہے اولاد آدم۔ اب بتاؤ کہ ان میں کون کون اور کیسے کیسے لوگ ہیں۔ فرشتے عدم واقفیت کی وجہ سے بتا نہ سکے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کو ان کے ناموں، بالفاظ دیگر شخصیتوں سے آگاہ کیا اور پھر کہا کہ فرشتوں کے سامنے ان کا تعارف کراؤ۔ جب آدم نے تعارف کرایا تو فرشتوں کو معلوم ہوا کہ آدم کی اولاد میں، فسادیوں اور برے لوگوں کے علاوہ کیسے کیسے صلحاء و متقین ہوں گے ——— انسان کا سب سے بڑا جرم، انکار رب کے بعد، زمین میں فساد کرنا اور خون بہانا ہے۔ کسی فرد یا گروہ کے لئے جائز نہیں کہ وہ ایسی کارروائیاں کرے جس کے نتیجہ میں زمین پر خدا کا قائم کیا ہوا فطری نظام بگڑ جائے، انسان انسان کی جان مارنے لگے۔ ایسا ہر فعل آدمی کو خدا کی رحمتوں سے محروم کر دیتا ہے۔ زمین میں خدا کے بنائے ہوئے فطری نظام کا قائم رہنا اس کی اصلاح ہے اور زمین کے فطری نظام کو بگاڑنا اس کا فساد۔

اتحاد کی قیمت: شخصی جذبات کی قربانی

آپ کسی مسلم لیڈر سے ملئے۔ کسی مسلم ادارہ میں جائیے۔ ہر ایک آپ کو اپنے کارناموں کی لمبی فہرست بتائے گا۔ ہر جگہ آپ کو شان دار ایڈریس شاندار ترفریم میں دیواروں کی زینت بنے ہوئے دکھائی دیں گے۔ ہمارا ہر لیڈر اور ہمارا ہر ادارہ، اپنے بیان کے مطابق، عظیم الشان کارنامے انجام دے رہا ہے۔ مگران کارناموں کو ان کی مجموعی صورت میں دیکھنا چاہیں تو وہ کہیں نظر نہیں آتے۔ افراد کی مجموعی صورت ہی کا نام اسلام یا ملت اسلام ہے۔ مگر کیسی عجیب بات ہے کہ اسلامی افراد الگ الگ فتوحات کے جھنڈے لہرارہے ہیں مگر اسلام ساری دنیا میں مغلوب ہے۔ ملت کے افراد الگ الگ کامیابیوں کے مینار کھڑے کر رہے ہیں مگر ملت ناکامی کی پستی میں پڑی ہوئی ہے۔ اینٹیں سونے کی ہیں مگران کے ملنے سے جو محل بنا ہے وہ مٹی کا ہے۔ درخت سیب کے ہیں مگران سے جو باغ تیار ہوا ہے وہ ببول کا خارستان ہے۔

اس عجیب وغریب تضاد کی وجہ کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس کام کو اسلام کا کام بتایا جارہا ہے وہ حقیقۃً اسلام کا کام ہے ہی نہیں۔ یہ سب افراد کے اپنے کاروبار ہیں۔ اس لئے افراد کی سطح پر ان کے کچھ جلوے نظر آتے ہیں مگر اجتماع (اسلام) کی سطح پر ان کا کوئی نشان دکھائی نہیں دیتا۔ لوگوں نے اپنی قیادت کے کاروبار پر ملت کا لیبل لگا رکھا ہے۔ اپنی ذاتی تجارت کو اسلام کا نام دے دیا ہے۔ ایسی حالت میں ان کی سرگرمیوں کے نتائج اسلام یا ملت اسلام کی سطح پر کیوں کر نظر آئیں گے۔

ایک بڑے شہر میں ایک لاکھ کامیاب دکانیں ہیں۔ ہر دکان دار صبح شام پیسے کما رہا ہے۔ آپ جس دکان دار سے بھی ملیں، اس کے پاس اپنی کامیابیوں کی داستان بتانے کے لئے بے شمار الفاظ ہوں گے۔ تاہم اگر آپ چاہیں کہ ان ایک لاکھ دکان داروں کی کمائیاں کسی ایک مقام پر روپیوں کے پہاڑ کی صورت میں دکھائی دیں تو آپ کو بالکل ناکامی ہوگی۔ کیوں کہ ہر دکان دار جو کما رہا ہے وہ اپنی ذات کے لئے کما رہا ہے نہ کہ کسی "مجموعہ" کے لئے۔ چنانچہ ہر دکان دار کا اپنا مکان شان دار طور پر بن رہا ہے۔ اس کی ذاتی زندگی میں اس کی کمائی کی چمک دمک آپ خوب دیکھ سکتے ہیں۔ مگر کسی مجموعہ کے لئے وہ کما ہی نہیں رہا ہے اس لئے مجموعہ کی سطح پر اس کی کامیابیاں نظر بھی نہیں آتیں۔ افراد کے کاروبار افراد کی سطح پر نظر آسکتے ہیں۔ اجتماع کی سطح پر وہ کیوں کر دکھائی دیں گے۔ اس سے اسلام کے معاملہ کو سمجھا جاسکتا ہے۔ افراد کا اسلامی کام اسی وقت اسلامی کام ہے جب کہ اس کا فائدہ مجموعۂ اسلام کو مل رہا ہو۔ اگر ایسا نہ ہو تو وہ انفرادی کاروبار ہے خواہ اس کو کرتے ہوئے کتنا ہی زیادہ اسلام کی تلاوت کی جارہی ہو۔ اور اس کے اوپر کتنے ہی عالی شان اسلامی بورڈ لگے ہوئے ہوں۔

جوتے اور کپڑے کی دکان آدمی اس لئے کھولتا ہے کہ اس سے اس کو نفع حاصل ہو، اسی مزاج کے تحت اگر کسی بظاہر اسلامی کام کو کیا جائے تو اس کا ظاہری طور پر اسلامی ہونا اس کو خدا کی نظر میں اسلامی نہیں بناتا کیونکہ اسلام میں عمل کا دار و مدار نیت پر ہے۔ اللہ کو وہ عمل پسند ہے جو صرف اس کی رضا حاصل کرنے کے لئے کیا گیا ہو۔ پھر جس کام کو دنیوی مقاصد کے لئے کیا جائے اس پر خدا کی برکتیں کس طرح نازل ہوں گی۔

پہاڑوں پر بے شمار چھوٹے چھوٹے جھرنے جاری ہوتے ہیں۔ اپنی انفرادی حیثیت میں وہ صرف پانی کے سوت کی مانند

ہوتے ہیں۔ مگر جب قدرت ان کو ایک دھارے میں ملا دیتی ہے تو ان کا ملنا ایک بڑے دریا کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ یہی چیز اہل ایمان کی اسلامی کوششوں کے سلسلہ میں بھی مطلوب ہے۔ "اللہ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح مل کر لڑتے ہیں جیسے کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں (صف ۴) وہی اسلامی عمل اللہ کے نزدیک اسلامی عمل ہے جس کا رخ اجتماعیت کی طرف ہو، جب کہ انفرادی کوششیں اس طرح جاری ہوں کہ بالآخر وہ سب کی سب مل کر ایک دریا بن جائیں۔ اس کے برعکس اگر افراد کی اسلامی کوششیں الگ الگ جھرنوں کی صورت میں بہتی رہیں اور دوسروں کی اسلامی کوششوں سے مل کر ایک بڑا دھارا نہ بنیں تو وہ خدا کے نزدیک بے قیمت ہیں۔

اگر لوگ ذاتی محرک کے تحت کام کر رہے ہوں تو ان کا اسلامی عمل انفرادی عمل بن کر رہ جاتا ہے اور اگر وہ خدا کے لئے متحرک ہوئے ہوں تو ناممکن ہے کہ ان کا عمل صرف اپنی ذات کے گرد گھومے، دوسروں کے ساتھ مل کر بڑا دھارا نہ بنے۔ لوہے کے ٹکڑے اسی وقت تک الگ الگ رہتے ہیں جب کہ ان کے درمیان کوئی مقناطیس نہ ہو۔ جب ان کے درمیان ایک مقناطیس آجائے تو لازماً وہ سب مقناطیس کے گرد جڑ کر ایک ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اہل اسلام کی کوششیں اگر حقیقۃً خدا کے لئے ہو رہی ہوں تو خدا کی ذات ایک عظیم مقناطیس بن جاتی ہے جو تمام کوششوں کو ایک نقطہ کے گرد سمیٹ دیتی ہے۔ اہل اسلام کی کوششوں کا انتشار اس وقت ہوتا ہے جب کہ وہ خدا کے لئے نہ ہو بلکہ اپنی ذات کے لئے ہو۔

اجتماعی کام کے لئے جب کچھ لوگ ساتھ ہوتے ہیں تو طرح طرح کی ناموافق باتیں پیش آتی ہیں۔ کبھی مزاجوں کا اختلاف دل شکنی کا باعث ہوتا ہے۔ کبھی کسی کی تنقید سے خفت اٹھانی پڑتی ہے۔ کبھی ایک شخص کی کمزوری سے دوسرے کو تکلیف پہنچتی ہے۔ کبھی ضرورت ہوتی ہے کہ سنانے کے شوق کو دبا کر سننے کے لئے اپنے کو آمادہ کیا جائے۔ کبھی تقاضا ہوتا ہے کہ دوسرے کی صلاحیت کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے آپ کو پچھلی سیٹ پر بیٹھنے کے لئے راضی کیا جائے۔ غرض بار بار ایسے مواقع سامنے آتے ہیں جہاں اپنی انفرادیت کو کچلنے کا سوال ہوتا ہے۔ یہی مواقع آدمی کے جذبہ اتحاد کا امتحان ہوتے ہیں۔

کوئی بڑا اسلامی کام صرف وہ لوگ کرتے ہیں جن کے اندر اتنی بلندی ہو کہ وہ مفاد اور مصلحت کے بغیر جڑ سکتے ہوں۔ وہ اس وقت بھی اپنے بھائی کی قدر کریں جب کہ اس سے ان کی ذات کو خوشامد کی غذا نہ مل رہی ہو۔ وہ اپنے بھائی کے اوپر خرچ کریں مگر ان کے اندر اپنے بڑے ہونے کا احساس نہ پیدا ہو۔ وہ اپنے بھائی کی کمزوری کو دیکھیں مگر اس کو نمایاں کرنے کا جذبہ ان کے اندر نہ ابھرے۔ وہ دوسرے کی زبان سے اپنے بارے میں کڑوی بات سنیں مگر ان کے دل میں دوسرے کے لئے نفرت کا جذبہ نہ پیدا ہو۔ دوسرے کی طرف سے ان کے مزاج کے خلاف رویہ ظاہر ہو مگر اس کو وہ دوسرے کے بارے میں رائے قائم کرنے کی بنیاد نہ بنائیں۔ دوسرے کی ذات سے ان کا کوئی مفاد وابستہ نہ ہو پھر بھی وہ خدا کے لئے اس سے محبت کریں — اسی کا نام "صبر" ہے۔ اور اسی قسم کے صبر والے لوگ کوئی بڑا دینی کام کرتے ہیں اور انھیں لوگوں کے ملنے سے وہ چیز وجود میں آتی ہے جس کا نام اسلامی اتحاد ہے۔

اتحاد کے لئے سب سے زیادہ جس چیز کی ضرورت ہے وہ شخصی قربانی ہے۔ جس گروہ کے افراد میں یہ طاقت ہو کہ وہ اپنے شخصی تقاضوں کو اجتماع کی خاطر دبا سکیں، ان میں اتحاد قائم ہو کر رہتا ہے، اور وہی ہیں جو کوئی بڑا کام کرتے ہیں۔

دنیا کے بارے میں سنجیدہ، آخرت کے بارے میں سنجیدہ نہیں

ایک لیڈر کا سیاسی مفاد دوسرے لیڈر سے وابستہ ہو تو وہ اس کی خوبیوں سے آخری حد تک واقف ہو جاتا ہے اور دل کھول کر اس کا اعتراف کرتا ہے۔ اسی طرح ایک دکان دار کے پاس جب کوئی آدمی نوٹوں کی گڈیاں لے کر شادی کا سامان خریدنے کے لئے جاتا ہے تو دکان دار اس سے کمال نرمی اور اخلاق کے ساتھ پیش آتا ہے۔ ڈاکوؤں کی پارٹی حد درجہ اتفاق واتحاد کے ساتھ کام کرتی ہے۔ اسمگلنگ کی دنیا میں دیانت داری اور قول کی پابندی کا اصول انتہائی معیاری صورت میں قائم ہوتا ہے۔ لوگ اپنے دنیا کے معاملات میں پوری طرح سنجیدہ ہیں۔ کیوں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر وہ ایسے نہ بنیں تو وہ اپنے مطلوبہ فوائد کو حاصل نہیں کر سکتے۔ اس لئے جہاں دنیوی مفاد اور دنیوی مصلحت کا معاملہ ہو، وہ بہت جلد بااصول اور بااخلاق انسان بن جاتے ہیں۔ مگر جہاں دنیوی مفاد خطرہ میں نظر نہ آئے اور دنیوی مصلحتوں کے بگڑ جانے کا اندیشہ نہ ہو وہاں وہ بالکل بے حس اور بے کردار بن جاتے ہیں۔ دنیا کی چیزوں میں ان کی حساسیت خوب کام کرتی ہے۔ وہ معاملہ کی نزاکتوں کو فوراً سمجھ لیتے ہیں اور فوراً اپنے رویہ کو اس کے مطابق بنا لیتے ہیں۔ مگر جہاں ان کی اپنی ذات محفوظ نظر آئے۔ جہاں دنیوی مفادات خطرہ میں نہ ہوں وہاں وہ ایسے بن جاتے ہیں گویا ان کے اندر احساس نام کی کوئی چیز موجود ہی نہیں۔ ایک ہوشیار آدمی اچانک بالکل بے وقوف اور ایک حساس آدمی اچانک بالکل بے حس دکھائی دینے لگتا ہے۔

لوگ خواہ مذہبی ہوں یا غیر مذہبی، ان کا اصلی مذہب صرف دنیا پرستی ہے۔ خدا پرستی سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ اگر وہ مذہبی ہوتے تو جو اخلاقیات کسی کے اندر دنیا کے زور پر ابھرتی ہیں وہی اخلاقیات ان کے اندر آخرت کے زور پر پیدا ہوتیں۔ سچا مذہب یہ ہے کہ آدمی خالص اصول پسندی اور اعتراف حقیقت کی بنیاد پر دوسرے کے فضل کو مانے، خواہ اس کے لئے کوئی ظاہری دباؤ موجود نہ ہو۔ آخرت کے خوف نے اس کے اندر نرمی اور تواضع پیدا کر دی ہو۔ اللہ کی رضا حاصل کرنے کا جذبہ اس کو اتحاد واتفاق پر مجبور کر دے۔ جہنم سے بچنے اور جنت حاصل کرنے کے شوق میں وہ عہد کو پورا کرنے والا اور معاملات میں دیانت داری برتنے والا بن گیا ہو۔

کچھ ایسے لوگ بھی ملیں گے جو عام حالات میں شرافت اور معقولیت کا ثبوت دیں گے۔ لیکن اگر ان کے خلاف کوئی قابل شکایت بات ہو جائے تو وہ فوراً بدل جائیں گے۔ ان سے شرافت اور معقولیت کا تحفہ صرف اس کو مل سکتا ہے جو ان کی "انا" کو خوش کر رہا ہو۔ جو ان کی اپنی بڑائی کے تانے بانے کو منتشر نہ کرے۔ مگر جس شخص سے انھیں کسی قسم کی ٹھیس پہنچ جائے، اس کے لئے وہ مکمل طور پر غیر شریف اور غیر معقول انسان بن جاتے ہیں۔ اس قسم کے کردار کے لوگوں کا بھی دین و مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔ مذہب نام ہے حقیقت اعلیٰ کو معیار بنانے کا، مگر وہ اپنے عمل سے بتا رہے ہیں کہ وہ خود اپنی ذات کو معیار بنائے ہوئے ہیں۔ وہ خود پرست ہیں نہ کہ خدا پرست۔ جتنا سنجیدہ وہ اپنی ذات کے بارے میں ہیں اتنے ہی سنجیدہ اگر وہ آخرت کے بارے میں ہوتے تو وہ کبھی ایسا نہیں کر سکتے تھے۔

اصل کام ابھی باقی ہے

حال میں مختلف مسلم ملکوں میں اسلام کے نام پر جو ہنگامے شروع ہوئے ہیں، انھوں نے دنیا بھر میں لوگوں کے لئے بحث و گفتگو کا نیا موضوع پیدا کر دیا ہے۔ مغربی اخبارات میں اس قسم کی سرخیاں اب عام ہو گئی ہیں :

جنگی اسلام بر سرِ عمل — Militant Islam is on the march

اللہ کے سپاہیوں کا اقدام — Soldiers of Allah advance.

مسلم دنیا کی جنگ جوئی پھر زندہ — Muslim World rekindles its militancy.

اس میں یہ اضافہ کرنا ضروری ہے کہ اسلام کی "عسکریت" پہلے اغیار کے حملوں کو پسپا کرنے کے لئے بر سرِ عمل آتی تھی۔ مگر آج اسلامی عسکریت خود اپنوں کو قتل کرنے کے لئے متحرک ہوئی ہے۔ اغیار کا مقابلہ کرنا اسلام میں عین مطلوب ہے، مگر اپنوں کی قتل و غارت گری کا کوئی تعلق اسلام سے نہیں۔ یہ کچھ لوگوں کا اپنا گھڑا ہوا اسلام ہے نہ کہ قرآن و سنت کا اسلام۔

اسلام کا چرچا آج ساری دنیا میں بہت بڑے پیمانہ پر ہو رہا ہے۔ پریس، ریڈیو، ٹیلی وژن، تعلیم گاہ، کانفرنس، غرض تمام اشاعتی ذرائع سے آج اسلام کے اتنے چرچے ہو رہے ہیں جتنے شاید تاریخ میں کبھی نہیں ہوئے تھے۔ ممکن ہے یہ اس بات کی علامت ہو کہ وہ وقت آگیا ہے جب کہ، حدیث کی پیشین گوئی کے مطابق، کوئی کچا پکا گھر زمین پر ایسا نہیں بچے گا جس میں اسلام کی آواز داخل نہ ہو گئی ہو۔ تاہم جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے، اس واقعہ میں ان کے لئے بظاہر خوشی کا زیادہ موقع نہیں۔ کیوں کہ جو کچھ ہو رہا ہے اس میں ان کا وہ حصہ نہیں ہے جو کہ حقیقی طور پر ہونا چاہئے۔ قرآن کی تجارت کا بڑا حصہ آج غیر مسلموں کے ہاتھ میں ہے۔ ظاہر ہے کہ صحت و نفاست کے ساتھ قرآن کی اشاعت ایک مطلوب کام ہے۔ مگر یقینی ہے کہ جو غیر مسلم اس کام کو کر رہے ہیں وہ اس کے لئے خدا کے یہاں کسی اجر کی توقع نہیں رکھ سکتے۔

ہمارے لئے سب سے زیادہ قابلِ غور بات یہ ہے کہ اسلام کے نام پر ساری دنیا میں ہلچل کے باوجود اسلام کا اصل کام ابھی ہونا باقی ہے۔ ایک مسلمان اور دوسرے مسلمان کے درمیان جو رشتہ ہے وہ خیر خواہی اور اتحاد کا رشتہ ہے۔ اس پہلو سے دینی تحریک اسلامی تحریک ہے جو مسلمانوں کے درمیان برادرانہ تعلق کو مضبوط کرے۔ جو ان کو ایک واحد جسمانی نظام کی طرح باہم جوڑ دے۔ مگر موجودہ تحریکیں اس کے برعکس نتیجہ ظاہر کر رہی ہیں۔ ہماری موجودہ تحریکیں، کم از کم عملاً، مسلمانوں کو فرقوں اور گروہوں میں بانٹ رہی ہیں۔ حتیٰ کہ ہر گروہ کا قرآن اور ہر گروہ کی حدیث بھی الگ الگ ہے۔ ہر گروہ کی علیحدہ تنظیم، علیحدہ صحافت، علیحدہ لٹریچر، حتیٰ کہ علیحدہ مسجدیں قائم ہیں۔ اور اگر ان میں سے کسی گروہ کو اتفاق سے کہیں اقتدار حاصل ہو جائے، خواہ وہ ایک ادارہ میں ہو یا ایک ملک میں، تو اس کی ساری کوشش یہ ہوتی ہے کہ دوسرے گروہ کے افراد کو اپنے دائرہ سے باہر نکال پھینکے۔ اور اگر ممکن ہو تو گولی اور پھانسی کے ذریعہ ان کا وجود مٹا ڈالے۔ ہر گروہ اپنے کارناموں کو نمایاں کرنے اور دوسرے گروہ کے کاموں پر پردہ ڈالنے میں لگا ہوا ہے۔ ہر گروہ اس کوشش میں ہے کہ اسلام اور ملت اسلام کے لئے ہونے والے تمام کاموں کا کریڈٹ اپنے حصہ میں جمع کرلے۔ ہر گروہ

اس خام خیالی میں مبتلا ہے کہ حق تمام تر اس کی طرف ہے اور ناحق تمام تر دوسروں کی طرف ـــــــ اصحاب رسول اسلام کے ذریعہ آخرت کا انعام چاہتے تھے، ان کے پیچھے چلنے والے آج اسلام کے ذریعہ دنیا کا انعام لینے کی کوشش میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانا چاہتے ہیں۔

جہاں تک مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان تعلق کا سوال ہے، معاملہ اور بھی زیادہ نازک ہے مسلمان اور غیر مسلموں کے درمیان جو تعلق ہے وہ عام معنوں میں ایک قوم اور دوسری قوم کا تعلق نہیں ہے، بلکہ داعی اور مدعو کا تعلق ہے۔ مگر دنیا بھر میں بے شمار اسلامی ہنگاموں کے باوجود مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان ابھی تک داعی اور مدعو کا رشتہ قائم نہ ہوسکا۔ حالاں کہ اللہ کو ہم سے اصلاً جو چیز مطلوب ہے وہ یہی ہے۔ مسلمان اس دنیا میں شاہد ہیں اور دوسری قومیں مشہود۔ مگر مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ وہ غیر مسلم قوموں کے سیاسی اور مادی حریف بنے ہوئے ہیں۔ جب تک ایسا نہ ہو کہ ایک داعی کے مقام پر کھڑا ہو اور دوسرا اپنے کو مدعو کے مقام پر پائے، ہماری اسلامی سرگرمیوں کا نہ وہ فائدہ مل سکتا ہے جو قرآن میں بتایا گیا ہے اور نہ اس قسم کے اعمال آخرت کی عدالت میں ہم کو بری الذمہ کرنے والے ثابت ہوسکتے ہیں۔ دو آدمی باہم گالی گلوج کر رہے ہوں، آپ ان کو شرافت اخلاق کی تلقین کرنے جائیں اور ان کے سر پر ایک بھاری پتھر پٹک دیں، تو آپ کے لئے اس میں کچھ نہیں۔ کیوں کہ بظاہر اگرچہ گالی گلوج سے منع کرنے کا واقعہ پیش آیا۔ مگر آپ کے اور گالی دینے والے کے درمیان مصلح کا تعلق قائم نہیں ہوا۔ پھر خدا کے یہاں آپ کو اس سے کیا مل سکتا ہے۔

موجودہ زمانہ کے غیر مسلموں کی نظر میں مسلمانوں کی حیثیت بس عام قوموں کی طرح ایک قوم کی ہے۔ اور ایسا تصور قائم کرنے میں وہ حق بجانب ہیں۔ اسلامی شخصیتیں اور اسلامی جماعتیں اپنی پڑوسی غیر مسلم قوموں کو اللہ کا پیغام پہنچانے کے لئے اپنے اندر کوئی رغبت نہیں پاتیں۔ البتہ مسلمانوں کے اوپر غیر مسلم قوموں کے "مظالم" کے خلاف احتجاجی بیانات جاری کرنے میں ہر ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانا چاہتا ہے۔ ان کی معاشیات یا سیاسیات کے کسی حصہ پر اگر غیر مسلموں نے قبضہ کرلیا تو وہ فوراً اس کے خلاف ایجی ٹیشن چلانے کے لئے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ یہ سوچ ان میں کبھی نہیں ابھرتی کہ اس قسم کے ہنگاموں کی وجہ سے غیر مسلم ہم کو اپنا دنیوی حریف سمجھ لیتے ہیں اور نتیجۃً اسلامی تحریک ان کی نظر میں اخروی تحریک نہیں رہتی بلکہ ایک قسم کی دنیوی تحریک بن کر رہ جاتی ہے۔ کچھ مسلمان اسلام کو عملیاتی مجموعہ کی حیثیت سے پیش کر رہے ہیں۔ کچھ دوسرے مسلمان ہیں جو اسلام کو سیاسی احکام کے مجموعہ کی حیثیت سے سامنے لا رہے ہیں۔ اس کی وجہ سے عام لوگوں کو اسلام یا تو دوسرے مذاہب کی طرح ایک رسمی مذہب نظر آتا ہے یا کمیونزم کی طرح ایک سیاسی مذہب ـــــــ قرآن کے مطابق، مسلمان کا کام شہادت علی الناس ہے۔ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم لوگوں کو جہنم سے ڈرانے والے اور جنت کی خوش خبری دینے والے بنیں۔ مگر مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ وہ سیکولرزم کے احیار سے لے کر اپنے حقوق کی بازیابی تک بے شمار کاموں کے لئے غیر مسلم قوموں سے دست و گریباں ہیں۔ مگر اسی ایک کام کے لئے نہیں اٹھتے جو اللہ نے اصلاً ان کے اوپر فرض کیا تھا۔ یہ غفلت اتنی بڑی ہے کہ اندیشہ ہے کہ مسلمان اللہ کی نظر میں بے قیمت ہوجائیں۔ اور پھر نہ دنیا میں ان کو خدا کا سایہ حاصل ہو اور نہ آخرت میں۔

قدیم آسمانی صحیفے

حضرت موسیٰ کے بعد تین بڑے مواقع ایسے آئے ہیں جب کہ غیر اسرائیلی اقتدار نے بائبل کے "عہد نامہ عتیق" کو برباد کیا۔ پہلی بار بابل کے بادشاہ بخت نصر (۵۶۲ - ۶۰۵ ق م) نے ۵۸۶ میں تمام فلسطین پر حملہ کیا۔ بیت المقدس کو آگ لگادی جس میں حضرت سلیمان نے تورات کی تختیاں رکھوائی تھیں۔ پچاس سال بعد عزرا نبی نے دوبارہ اپنے حافظہ سے پہلے پانچ صحیفوں کو لکھوایا۔ پھر نحمیاہ نے کچھ اور کتابوں کے اضافے کئے۔ دوسری بار انطیوخس چہارم نے، جو یونانی انطاکیہ کا بادشاہ تھا، بیت المقدس پر ۱۶۸ ق م میں حملہ کیا اور مقدس صحیفوں کو جلادیا۔ یہودا مقابی نے کچھ اضافہ کے ساتھ دوبارہ ان کو مرتب کیا۔ تیسری بار رومی بادشاہ تیتس (۸۱ - ۴۰ء) نے ۷۰ء میں بیت المقدس پر حملہ کیا اور اس کو ہیکل سلیمان سمیت برباد کرکے اس کو ملبہ میں تبدیل کردیا۔

جہاں تک عہد نامہ جدید کا تعلق ہے، اس کے بارے میں فرانسیسی مستشرق موسیو اتیین دینیہ (Eaton Dien) نے لکھا ہے:

"اللہ نے جو انجیل حضرت عیسیٰؑ کو ان کی اور ان کی قوم کی زبان میں دی تھی، وہ تو کوئی شک نہیں کہ ضائع ہوچکی ہے اور اب اس کا نام و نشان بھی نہیں رہ گیا ہے یا وہ خود تلف ہوگئیں یا بالقصد تلف کردی گئیں۔ اسی وجہ سے عیسائیوں نے اس کی جگہ چار "تالیفات" کو اپنالیا جن کی صحت اور تاریخی حیثیت مشکوک ہے۔ کیوں کہ یہ یونانی زبان میں ملتی ہیں جس کا مزاج حضرت عیسیٰ کی اصل سامی زبان سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا۔ اس لئے ان یونانی انجیلوں کا اپنے آثار نے والے سے رشتہ یہود کی توراۃ اور عربوں کے قرآن سے کہیں زیادہ کمزور ہے (اضواء علی المسیحیہ ۵۲ - ۵۳)

یہ سائنس اور مذہب کا تصادم نہ تھا

ابتداءً جن لوگوں نے سائنسی تحقیقات کا کام کیا، وہ کسی بھی درجہ میں مذہب کے مخالف نہ تھے۔ آئزک نیوٹن (۱۷۲۷ - ۱۶۴۲) نے جب فلکیاتی اجرام کی گردش کے قوانین دریافت کئے تو اس نے اپنے ایک دوست کو لکھا:

"سیاروں کی مسلسل گردش صرف کشش ثقل کی وجہ سے نہیں ہوسکتی اس کے لئے کوئی خدائی بازو (Divine Arm) ہونا ضروری ہے"۔ ڈارون نے اپنی کتاب اصل الانواع لکھی تو اس نے صاف لفظوں میں خالق (Creator) کے وجود کا اقرار کیا۔ اور اپنی کتاب ان الفاظ پر ختم کی: "زندگی کے اس تصور میں کتنی عظمت ہے کہ خالق نے ابتداءً زندگی کی کچھ سادہ اقسام پیدا کیں اور ان سے زندگی کی انتہائی سادہ اور حیرت انگیز انواع وجود میں آگئیں"۔

اس کے باوجود کیوں ایسا ہوا کہ سائنس مذہب کی دشمن بن گئی۔ اس کی وجہ حقیقۃً سائنس اور مذہب کے درمیان کوئی تصادم نہ تھا، جیسا کہ ڈریپر (۱۸۸۲ - ۱۸۱۱) اور دوسرے لوگوں نے سمجھا ہے۔ یہ دراصل سائنس اور قدیم علم کلام کا تصادم تھا جو مصریات اور یونانیات کی بنیاد پر وضع ہوا تھا نہ کہ خدائی مذہب کی بنیاد پر۔ مذہب کے نمائندوں نے غلطی سے اس کو مذہب اور سائنس کا تصادم سمجھ لیا اور سائنس سے ٹکرا گئے۔ اس غلطی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک زمانی طاقت جو مذہب کی خادم بن سکتی تھی وہ اول روز سے مذہب کی حریف بن گئی۔

آخرت والے عمل سے دنیا کا فائدہ چاہنا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دور فتنہ کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا

وَقَلَّتْ فُقَهَاءُكُمْ وَكَثُرَتْ قُرَّاءُكُمْ وَتُفُقِّهَ لِغَيْرِ الدِّيْنِ وَالْتُمِسَتِ الدُّنيا بِعَمَلِ الْآخِرَةِ (ترغیب و ترہیب)

اس وقت دین کی سمجھ رکھنے والے کم ہوجائیں گے اور دین کے پڑھنے والے بہت ہوں گے۔ دین کو دنیا کے لئے پڑھا جائے گا آخرت کے عمل کے ذریعہ دنیا چاہی جائے گی۔

امت مسلمہ کا بگاڑ یہ نہیں ہے کہ وہ دین کا نام لینا چھوڑ دے یا اس کے درمیان سے دینی شکلیں مٹ گئی ہوں۔ ایسا نہ پچھلی امتوں کے ساتھ ہوا اور نہ امت مسلمہ کے ساتھ کبھی ہوگا۔ امت کا بگاڑ یہ ہے کہ دین کو دنیا کے لئے کیا جانے لگے ——— دینی کام اس جذبہ کے تحت کئے جائیں کہ اس سے مال و اولاد میں برکت ہوگی۔ دین و ملت کے نام پر چندے وصول کئے جائیں اور ان کو ذاتی مفاد میں استعمال کیا جائے۔ جاہ و اقتدار کے ہنگامے کھڑے کئے جائیں اور اس کے لئے دلیل قرآن و سنت سے پیش کی جائے۔ آدمی خدا کے حرام و حلال سے بے نیاز ہو کر کمائے اور اس کے بعد جب وہ اپنا ایک مکان بنائے تو اس پر لکھ دے ھٰذا من فضل ربی (یہ میرے رب کا انعام ہے) اس کی عملی زندگی کا دین سے کوئی تعلق نہ ہو اور جب اس کی خدا فراموش زندگی اس کو ایک کار کی مالک بنا دے تو وہ اپنی گاڑی کے لئے ۷۸۶ نمبر حاصل کرے تاکہ اس کی گاڑی حادثہ سے محفوظ رہے۔ اس بگاڑ کی آخری صورت یہ ہے کہ آدمی خدا کے دین کی ایسی تشریح و تفسیر کرے کہ وہ دین جو آخرت کی چیتاؤنی کے لئے آیا تھا وہ دنیوی اور سیاسی ہنگاموں کا عنوان بن جائے۔

ہم ایک ایسی دنیا میں ہیں جہاں ہر طرف خدا اور مذہب کی دھوم مچی ہوئی ہے۔ مگر حقیقی زندگیوں میں خدا اور مذہب کا کہیں وجود نہیں۔ مذہب پر تحریری مظاہرے اور تقریری مشاعرے اتنی کثرت سے جاری ہیں کہ پچھلی تاریخ میں اس کی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی۔ مگر زمین و آسمان اس انسان کو دیکھنے کے لئے ترس رہے ہیں جو فی الواقع خدا سے ڈرتا ہو اور جس نے سنجیدگی کے ساتھ مذہب کو اپنی عملی زندگی میں اختیار کیا ہو۔ لفظی قسم کے مذہبی پہلوانوں کے ہجوم میں حقیقی مذہبی پہلوان اس طرح نایاب ہے کہ ڈھونڈنے سے بھی کہیں نہیں ملتا۔

لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ انصاف اور انسانیت کے نعرے بلند کرتے ہیں مگر عملاً صرف ذاتی مفاد کی سطح پر جی رہے ہیں کسی کا ذاتی مفاد پیسہ کمانا ہے، اور کسی کا عزت، شہرت، مرتبہ اور اقتدار حاصل کرنا۔ کوئی "نوٹ" جمع کرنے میں لگا ہوا ہے اور کوئی "ووٹ" کے مسائل میں الجھا ہوا ہے۔ کوئی گھر اور کاروبار کے دائرہ میں اپنے مستقبل کا خواب دیکھ رہا ہے، کوئی اسٹیج اور اخبار کی دنیا میں نمایاں ہونے کو اپنی توجہات کا مرکز بنائے ہوئے ہے۔ خدا کی زمین ایسے انسانوں سے خالی نظر آتی ہے جو خدا کی یاد میں جیتے ہوں، جو آخرت کی فکر میں تڑپتے ہوں۔ جنھوں نے اپنے آپ کو انصاف کے ترازو پر کھڑا کر رکھا ہو۔ جن کے لئے دنیا، اپنی تمام سرسبزی کے باوجود، سرسبز نہ ہو بلکہ ایک وسیع قید خانہ بن گئی ہو۔

علمی جہاد ——— انفاق فی سبیل اللہ کا بہترین مصرف

اسلام کا مطلب اپنے جان اور مال کو اللہ کے حوالے کرنا ہے۔ یہ حوالگی مکمل معنوں میں ہے۔ تاہم ایک خاص حد تک اس کو لازم قرار دیا گیا ہے۔ زکوٰۃ اسی قسم کا ایک حکم ہے جو یاد دلاتا ہے کہ آدمی کے مال میں خدا اور اس کے دین کا بھی حق ہے۔

قرآن میں زکوٰۃ کے جو مصارف بتائے گئے ہیں ان میں سے ایک فی سبیل اللہ (توبہ ۶۰) ہے۔ یعنی اللہ کے راستہ میں دینا۔ اس سلسلے میں فی سبیل اللہ کا مفہوم متعین کرنے کے لئے بہت سی علمی و فقہی بحثیں کی گئی ہیں۔ شیخ یوسف القرضاوی (قطر) نے اس موضوع پر اپنی تحقیقی کتاب "فقہ الزکوٰۃ" میں مفصل اور مدلل گفتگو کی ہے اور آخر میں یہ فیصلہ دیا ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد صرف قتال نہیں ہے، نہ شخصی تملیک اس کے لئے ضروری ہے، بلکہ عمومی نوعیت کا تربیتی اور علمی جہاد بھی اس میں داخل ہے۔ اور شاید آج مسلمان اس کے سب سے زیادہ ضرورت مند ہیں" ذیل میں شیخ یوسف القرضاوی کی بحث کا ایک حصہ نقل کیا جاتا ہے۔ شیخ موصوف لکھتے ہیں:

"موجودہ حالات میں فی سبیل اللہ سے جو اولین اور اہم ترین چیز مراد لی جائے گی وہ ہے صحیح اسلامی زندگی کے احیاء کا وہ پروگرام جو اسلام کے جملہ احکام، عقائد، تصورات، شعائر، شرعی قوانین اور اخلاق و آداب کو بروئے کار لانے کے لئے ہو۔

یہ کام اس قدر اہم اور ضروری ہے کہ اسلام کے غیرت مندوں کو اپنی زکوٰۃ کا مال اور اپنی اعانتیں اس پر صرف کرنی چاہئیں۔

ہماری رائے یہ ہے کہ بحالات موجودہ زکوٰۃ کے اس مصرف کو ثقافتی، تربیتی اور علمی جہاد کے لئے استعمال کرنا بہتر ہوگا۔ بشرطیکہ وہ خالص اور صحیح اسلامی جہاد ہو۔

عصر حاضر میں اسلام کے پیغام کو عام کرنے کے لئے جن سرگرمیوں کی ضرورت ہے۔ اس کی چند مثالیں ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں۔ ان کا شمار بجا طور پر فی سبیل اللہ میں کیا جا سکتا ہے۔

صحیح اسلام کو پیش کرنے کے لئے دعوتی مراکز قائم کرنا جن کے ذریعہ دنیا کے گوشہ گوشہ میں ادیان و مذاہب کی کش مکش کے درمیان غیر مسلمین تک اسلام کا پیغام پہنچایا

سورہ توبہ (آیت ۶۰) میں صدقات کے آٹھ مصارف بیان کئے گئے ہیں جن میں سے پہلے چار مصارف (فقراء، مساکین، عاملین، مولفۃ القلوب) کے لئے حرف لام استعمال ہوا ہے۔ یعنی یہ کہا گیا کہ صدقات "ان کے لئے" ہیں۔ مگر بعد کے چار مصارف (غلام، قرضدار، سبیل اللہ، مسافر) کے لئے حرف فی استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی یہ کہا گیا کہ صدقات ان کی مد میں صرف کرنے کے لئے ہیں۔ پہلے چار مستحقین کے لئے لام ہے جو تملیک کا معنی دیتا ہے۔ بقیہ چار مستحقین کے لئے فی ہے جو عربی زبان میں ظرفیت کے لئے آتا ہے ——— حکم کے الفاظ میں اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ پہلی چار اصناف کو زکوٰۃ اس طور پر ملتی ہے کہ وہ اس کی مالک ہو جاتی ہیں جب کہ بقیہ چار اصناف کی حیثیت چار مدات کی ہے (فقہ الزکوٰۃ از شیخ یوسف القرضاوی، قطر)

جاسکے یقیناً جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

اسلامی ممالک کے اندر ایسے اسلامی مراکز قائم کرنا بھی جہاد فی سبیل اللہ میں شامل ہے جو مسلم نوجوانوں کی صحیح تربیت کریں۔ اسلام کے اعتدال پسندانہ نقطۂ نظر کے مطابق ان کی رہنمائی کریں، الحاد، فکری انحراف اور عملی بے راہ روی سے انھیں بچائیں اور انھیں اسلام کی حمایت و نصرت اور اس کے دشمنوں سے نبرد آزمائی کے [illegible] کریں۔

اسی طرح خالص اسلامی پرچہ کا اجراء جو گمراہ صحافت کے درمیان اللہ کا کلمہ بلند کرنے حق بات کا اظہار کرنے، اسلام پر عائد کئے جانے والے جھوٹے الزامات کی تردید کرنے، شبہات کا ازالہ کرنے، اور اسلام کو ہر قسم کی حاشیہ آرائی اور شائبوں سے پاک کر کے صحیح شکل میں پیش کرنے کی خدمت انجام دے ——— بلاشبہ جہاد فی سبیل اللہ ہے

ایسی دینی کتاب کی وسیع پیمانہ پر اشاعت جو بنیادی اہمیت کی حامل ہو اور جو اسلام کو یا اس کے کسی پہلو کو اس خوبی کے ساتھ پیش کرے کہ اس کے پوشیدہ جواہر پر سے پردہ اٹھ جائے۔ اس کی تعلیمات کی خوبیاں نمایاں ہوں اور اس کے حقائق بے نقاب ہوں جہاد فی سبیل اللہ کے مترادف ہے۔

پختہ کار، امانت دار اور مخلص افراد کو فارغ کرنا تاکہ وہ دین کی خدمت کریں، اس کی روشنی چار دانگ عالم میں پھیلائیں، اس کے دشمنوں کی چالوں کو بے اثر کر کے رکھ دیں۔ فرزندان اسلام میں بیداری پیدا کریں اور عیسائی مشن، الحاد اور اباحیت کے طوفان کا مقابلہ کریں من جملہ جہاد فی سبیل اللہ کے ہے اور دین حق کے داعیوں کی معاونت کرنا جن پر خارج سے اسلام دشمن طاقتیں داخلی عناصر۔ مرتد اور سرکش افراد۔ کی مدد سے مسلط ہو جاتی ہیں اور انھیں طرح طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں دینے لگتی ہیں۔ ان کی معاونت کرنا تاکہ وہ کفر اور سرکشی کے مقابلہ میں ثابت قدم رہیں سراسر جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

مسلمانوں کو چاہئے کہ زکوٰۃ کے صَرف میں ایسے کاموں کو اولین اہمیت دیں کیوں کہ اسلام کے مددگار اللہ کے بعد فرزندانِ اسلام ہی ہیں اور خاص طور سے ایسے دور میں جب کہ اسلام غربت سے دوچار ہے۔

فقہ الزکوٰۃ، ترجمہ از مولانا شمس پیرزادہ۔ بمبئی

اسلامی مرکز

ایک رجسٹرڈ ادارہ ہے

اس کا مقصد تعمیر ملت اور احیاء اسلام کے لئے جدوجہد کرنا ہے

ماہنامہ الرسالہ اور مکتبہ الرسالہ اسی مرکز کے تحت قائم ہیں

اس دینی و ملی مہم میں ہر طرح تعاون کرنا وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے

آخرت کی فکر نے ان کو دیوانہ بنا دیا تھا

حسن بصری تابعی نے بڑی تعداد میں اصحاب رسول اللہ کو دیکھا تھا۔ انھوں نے اپنی ایک تقریر میں اپنے زمانہ کے لوگوں سے کہا:

لقد ادرکت سبعین بدریا۔ اکثر لباسھم الصوف، ولو رأیتموھم لقلتم مجانین۔ ولو رأوا اخیارکم لقالوا ما لھولاء من خلاق، ولو رأوا اشرارکم لقالوا ما یومن ھولاء بیوم الحساب۔ ولقد رأیت اقواما کانت الدنیا اھون علی احدھم من التراب تحت قدمیہ

میں نے ستر بدری صحابہ کو دیکھا ہے۔ ان کا لباس اکثر صوف کا ہوتا تھا۔ اگر تم انھیں دیکھتے تو کہتے کہ یہ پاگل ہیں۔ اگر وہ تمھارے اچھوں کو دیکھیں تو کہیں گے کہ دین میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔ اگر وہ تمھارے بروں کو دیکھیں تو وہ کہیں گے کہ یہ لوگ روز حساب پر ایمان نہیں رکھتے۔ میں نے ایسے لوگ دیکھے ہیں کہ دنیا ان کے نزدیک پاؤں کے نیچے کی مٹی سے بھی زیادہ بے حقیقت تھی۔

سب سے بری چیز: خود پسندی

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین چیزیں نجات دینے والی ہیں اور تین چیزیں ہلاک کرنے والی۔ نجات دینے والی چیزیں ہیں: کھلے اور چھپے اللہ کا ڈر رکھنا، خوشی اور ناراضی دونوں حالتوں میں حق بات کہنا اور خوش حالی اور غریبی دونوں میں اعتدال پر قائم رہنا۔ ہلاک کرنے والی چیزیں یہ ہیں کہ خواہش کی پیروی کی جائے۔ بخل کا طریقہ اختیار کیا جائے۔ اور آدمی کی خود پسندی۔ اور یہ آخری چیز سب سے زیادہ سخت ہے (بیہقی)

کمزوروں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرنا

جنگ بدر (۲ھ) میں مشرکین کے جو ستر افراد گرفتار کرکے مدینہ لائے گئے، ان میں سے ایک کا نام سہیل بن عمرو تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ سہیل ایک آتش بیان مقرر ہے، آپ کے خلاف تقریریں کرتا رہتا ہے۔ اس کے دانت تڑوا دیجئے۔ آپ نے فرمایا: "اگر میں اس کے دانت تڑواؤں تو اللہ میرے دانت توڑ دے گا اگرچہ میں رسول ہوں" (سیرت ابن ہشام) جنگ بدر کے قیدیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف صحابہ کے گھروں میں بانٹ دیا اور ہدایت فرمائی: استوصوا بالاساری خیرا (ان قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا) ان میں سے ایک قیدی ابوعزیز کا بیان ہے کہ مجھے جن انصاریوں کے گھر میں رکھا گیا وہ صبح و شام مجھ کو روٹی کھلاتے اور خود صرف کھجوریں کھا کر رہ جاتے۔ یمامہ کے سردار ثمامہ بن اثال جب گرفتار ہو کر آئے تو جب تک وہ قید میں رہے، آپ کے حکم سے ان کو عمدہ کھانا اور دودھ مہیا کیا جاتا رہا۔

مومن ہر وقت یاد رکھتا ہے کہ اس کی آخری منزل قبر ہے

ابونعیم نے عروہ کے واسطے سے نقل کیا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ ایک روز ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ آپ نے دیکھا کہ وہ کجاوہ کے ٹاٹ پر لیٹے ہوئے ہیں اور ایک گٹھری کا تکیہ بنا رکھا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تم نے وہ نہیں کیا

جو تمہارے ساتھیوں نے کیا ہے۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے امیرالمومنین! یہ میری خواب گاہ (قبر) تک پہنچانے کے لئے کافی ہے (یا امیرالمومنین! ھذا یبلغنی المقیل، حلیۃ الاولیاء، جلد ۱)

آخرت کی سختی کا خیال ہر چیز سے بے رغبت کر دیتا ہے

ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اسلام سے پہلے تجارت کرتے تھے۔ اسلام کے بعد ان کی تجارت چھوٹ گئی۔ ابن عساکر کی ایک روایت کے مطابق انھوں نے کہا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں ابوالدرداء کی جان ہے، آج مجھ کو یہ بھی پسند نہیں کہ مسجد کے دروازہ پر میری ایک دکان ہو۔ میری ایک بھی جماعت کی نماز نہ چھوٹتی ہو۔ میں روزانہ چالیس دینار نفع کماؤں اور سب کا سب اللہ کے راستہ میں صدقہ کر دوں۔" پوچھا گیا: اے ابوالدرداء! کیا چیز ہے جس نے آپ کے لئے اس کو ناپسند بنا دیا ہے۔ جواب دیا: حساب کی سختی (شدۃ الحساب، کنز العمال، جلد ۲ صفحہ ۱۴۹)

آدمی لمبے انتظامات کرتا ہے حالاں کہ وہ جلد ہی مرنے والا ہے

ابونعیم نے عبداللہ بن ابوہذیل سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جب اپنا گھر بنایا تو انھوں نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے کہا، آؤ دیکھو میں نے کیا بنایا ہے۔ عمار رضی اللہ عنہ گئے اور ان کا مکان دیکھا، پھر فرمایا: دور کی امید کر رہے ہو اور جلد ہی مرو گے (تامل بعیدا وتموت قریبا، حلیۃ الاولیاء جلد ۱ صفحہ ۱۴۲)

آخرت سے پہلے دنیا میں بدلہ

ابوفرات کہتے ہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ کا ایک غلام تھا۔ ایک روز آپ نے اپنے غلام سے کہا: میں نے تیرا کان ملا تھا، تو مجھ سے اس کا بدلہ لے لے۔ اس نے آپ کا کان پکڑا۔ آپ نے فرمایا اشدد (سختی سے مل): کتنا اچھا ہے کہ دنیا میں بدلہ ہو جائے، آخرت میں بدلہ کے لئے نہ رہے۔ (یا حبذا اقتصاص فی الدنیا لا قصاص فی الآخرۃ)

موت کے قریب پہنچ کر

بلال بن رباح رضی اللہ عنہ کی موت کا وقت آیا تو ان کے گھر کے لوگ جمع ہوئے اور کہا: واکربا ہ (ہائے غم) بلال نے جواب میں کہا: واطربا ہ، غدا القی الاحبۃ محمد ا وصحبہ (ہائے خوشی۔ کل میں اپنے دوستوں سے ملوں گا، محمد اور ان کے اصحاب سے) خلیفہ ثانی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا آخر وقت آیا تو آپ کی زبان سے نکلا: اِنْ نجوتُ کفافا لا وزرٌ ولا اجرٌ انی لسعید (اگر میں برابر برابر چھوٹ جاؤں، نہ سزا ہو نہ انعام ملے تو یقیناً میں کامیاب رہا)

سب سے زیادہ فکر جہنم کے عذاب سے بچنے کی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ام حبیبہ رض نے ایک روز ان لفظوں میں دعا مانگی:

اللھم امتعنی بزوجی رسول اللہ وبابی سفیان وباخی معاویہ (مسلم)

خدایا! میرے شوہر رسول اللہ اور میرے باپ ابوسفیان اور میرے بھائی معاویہ کا سایہ میرے اوپر دراز رکھ۔

آپ نے سن کر فرمایا: ام حبیبہ! عمریں تو سب کی اللہ کے یہاں مقرر ہو چکی ہیں۔ تم کو دعا کرنی تھی تو عذاب جہنم سے نجات پانے کی دعا کرتیں۔

مومن کی آنکھ کی ٹھنڈک یہ ہے کہ اس کی اولاد دیندار ہو

مقداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ حال تھا کہ ایک گھر میں کوئی اسلام کا ماننے والا ہوتا، کوئی اس کا انکار کرنے والا۔ ایک مسلمان اپنے باپ، اپنے بیٹے یا اپنے بھائی کو حالت کفر میں دیکھتا۔ اس سے سخت تکلیف ہوتی۔ اس کے دل کو اللہ نے جس ایمان کے لئے کھول دیا تھا، اس کی وجہ سے اس کو یقین ہوتا کہ یہ اسی حالت پر رہا تو ہلاک ہو جائے گا اور آگ کے عذاب میں داخل ہوگا۔ اس لئے اپنے ان رشتہ داروں کو دیکھ کر اس کی آنکھیں ٹھنڈی نہ ہوتیں (وقد فتح اللہ قفل قلبہ للایمان لیعلم انہ قد ھلک من دخل النار فلا تقر عینہ، حلیۃ الاولیاء، جلد اول) ایسے ہی لوگوں کے بارہ میں اللہ نے یہ آیت اتاری:

ربنا ھب لنا من ازواجنا وذریاتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما (شعراء)

اے ہمارے رب! ہم کو اپنی بیویوں اور اپنی اولاد میں آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہم کو متقیوں کا امام بنا دے۔

جنت کی حرص

طبرانی اور ابن عساکر نے بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مکہ کے مسلمان ہجرت کر کے مدینہ آئے۔ یہاں کا پانی ان کو پسند نہ آیا۔ بنی غفار کے ایک آدمی کے پاس ایک کنواں تھا جس کو بیر رومہ کہا جاتا تھا۔ مہاجرین کو اس کا پانی پسند تھا۔ اس کا مالک ایک مشک پانی ایک مُد (صاع کا چوتھائی) کے عوض بیچتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی سے کہا: بعنیھا بعین فی الجنۃ (اس کنویں کو جنت کے ایک چشمہ کے عوض مجھے بیچ دے)۔ اس آدمی نے کہا: میرے اور میرے عیال کے پاس اس کے سوا کوئی ذریعہ نہیں۔ اس لئے اس کو میں اس طرح نہیں دے سکتا۔ اس واقعہ کی خبر عثمان رضی اللہ عنہ کو پہنچی۔ انھوں نے بیر رومہ کو ۳۵ ہزار درہم دے کر خرید لیا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہا: اے خدا کے رسولؐ! کیا اس کنوئیں کے عوض میرے لئے بھی جنت کا چشمہ ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ انھوں نے اس کو عام مسلمانوں کو دے دیا۔

ایک کے لئے برکت، دوسرے کے لئے وبال

عبدالرزاق نے سعید بن مسیب کے واسطہ سے نقل کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو غزوہ حنین کے بعد کچھ عطیہ دیا۔ حضرت حکیم رض کو وہ کم معلوم ہوا۔ آپ نے دوبارہ عطا فرمایا۔ انھوں نے کہا اے خدا کے رسولؐ! آپ کا کون سا عطیہ بہتر تھا۔ آپ نے فرمایا پہلا۔ پھر آپ نے کہا:

یا حکیم بن حزام! ان ھذا المال خضرۃ حلوۃ فمن اخذہ بسخاوۃ نفس وحسن اکلۃ بورک لہ فیہ ومن اخذہ باستشراف نفس وسوء اکلۃ لم یبارک لہ فیہ وکان کالذی یاکل ولا یشبع۔ والید العلیا خیر من الید السفلی۔ قال ومنک یا رسول اللہ قال ومنی (کنز العمال جلد ۳)

اے حکیم! یہ مال سرسبز و شیریں ہے۔ جس نے اس کو سخاوت نفس اور بہتر طریق پر کھانے کے لئے لیا اس کے لئے اس میں برکت دی جائے گی۔ اور جس نے اس کو حرص نفس کے ساتھ لیا اور برے طریقہ سے کھایا اس کے لئے اس میں برکت نہ دی جائے گی۔ اور وہ اس آدمی کی طرح ہوگا جو کھاتا ہے مگر سیر نہیں ہوتا۔ اور اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے۔ پوچھا: خواہ آپ سے لے

اے خدا کے رسول۔ فرمایا خواہ مجھ سے لے

دنیا میں جاہ پسندی آخرت میں ذلت کا باعث ہوگی

بخاری نے ابو مجلز سے روایت کیا ہے۔ معاویہ رضؓ نکلے وہ ایک مقام پر پہنچے جہاں عبداللہ بن عامر رضؓ اور عبداللہ بن زبیر رضؓ بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت معاویہ رضؓ کو دیکھ کر عبداللہ بن عامر رضؓ کھڑے ہوگئے اور عبداللہ بن زبیر بیٹھے رہے۔ حضرت معاویہؓ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جس کو یہ بات پسند ہو کہ اللہ کے بندے اس کے لئے کھڑے رہیں تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے (من سرہ ان یمثل له عباد الله قیاما فلیتبوأ بیتا من النار، الادب المفرد صفحہ ۱۴۴)

آخرت کی خاطر دنیا کو چھوڑنا

ابونعیم نے عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کے واسطہ سے نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس عراق سے کچھ لوگ آئے۔ کھانے کا وقت ہوا تو آپ ان کے پاس ایک بڑا پیالہ لائے جس میں بے چھنے آٹے کی روٹی اور روغن زیتون تھا۔ ان لوگوں سے کہا کھاؤ۔ انھوں نے آہستہ آہستہ بہت تھوڑا تھوڑا کھانا شروع کیا۔ آپ نے فرمایا: اے اہل عراق! تم جو کچھ کر رہے ہو، میں دیکھ رہا ہوں۔ سنو! اگر میں چاہوں تو میرے لئے بھی اچھا اور نرم کھانا تیار ہوسکتا ہے جیسا کہ تمھارے لئے تیار کیا جاتا ہے۔ پھر فرمایا:

ولکنا نستبقی من دنیانا نجدہ فی آخرتنا۔ اما سمعتم الله عز وجل قال لقوم اذھبتم طیباتکم فی حیاتکم الدنیا)

مگر ہم اپنی دنیا میں باقی رکھتے ہیں تاکہ ہم اس کو اپنی آخرت میں پائیں۔ کیا تم نے نہیں سنا کہ اللہ نے ایک گروہ کے لئے فرمایا: تم اپنی اچھی چیزیں اپنی دنیوی زندگی میں حاصل کر چکے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: تم لوگ کیا چاہتے ہو۔ کیا میٹھا اور نمکین اور گرم اور سرد۔ جو بھی کھاؤ، پھینکنے ہی کی چیز پیٹ میں بنے گی (حلیۃ الاولیاء جلد ۱) سائب بن یزید کہتے ہیں۔ میں نے کئی بار شام کا کھانا عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھایا۔ وہ معمولی روٹی اور سادہ گوشت کھاتے پھر اپنے ہاتھ کو اپنے پاؤں سے پوچھ لیتے اور فرماتے: آل عمر رضؓ کا تو یہی ہے (یاکل الخبز واللحم ثم یمسح یدہ علی قدمه ثم یقول: ھذا مندیل عمر وآل عمر)

دنیا کے معاملات میں بے نفسی

خرجه ابن ابی الدنیا من روایة محمد بن مهاجر عن یونس بن میسرة قال: لیس الزھادة فی الدنیا بتحریم الحلال ولا اضاعة المال ولکن الزھادة فی الدنیا ان تکون بما فی ید الله اوثق منك بما فی یدك وان تکون حالك فی المصیبة حالك اذا لم تصب بها سواء وان یکون مادحك وذامك فی الحق سواء

جامع العلوم والحکم صفحہ ۲۵۴

ابن ابی الدنیا نے محمد بن مہاجر کے واسطہ سے یونس بن میسرہ کا قول نقل کیا ہے۔ زہد یہ نہیں ہے کہ حلال چیزوں کو حرام کرلو یا مال کو ضائع کردو۔ بلکہ زہد یہ ہے کہ تمھارے پاس جو کچھ ہے اس سے زیادہ اعتماد تم کو اس پر ہو جو اللہ کے پاس ہے۔ اور مصیبت میں تمھارا جو حال ہوتا ہے وہی اس وقت بھی ہو جب کہ مصیبت نہ ہو۔ اور حق کے معاملہ میں تعریف کرنے والا اور مذمت کرنے والا دونوں تمھاری نظر میں برابر ہو جائیں۔

خدا کو ہمارے دل کی تڑپ مطلوب ہے

عبد اللہ بن جدعان ایک مشرک مگر نیک دل عرب تھا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے مرگیا۔ اس نے جاہلیت کے زمانہ میں بہت سے ایسے کام کئے تھے جن کو عام طور پر نیک کام سمجھا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا اس کو اس کے نیک اعمال کا بدلہ ملے گا۔ آپ نے فرمایا: اس کی زبان سے کبھی یہ نہیں نکلا کہ اللّٰھم اغفر لی (اے اللہ مجھے بخش دے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے اصل میں جو چیز مطلوب ہے وہ یہ کہ ان کے اندر عجز کی کیفیت پیدا ہو۔ وہ شدید طور پر یہ محسوس کرنے لگیں کہ تمام چیزوں کا مالک صرف اللہ ہے۔ اسی کے دینے سے وہ پائیں گے، وہ اگر نہ دے تو وہ کچھ بھی نہیں پا سکتے۔ اس حقیقتِ واقعہ کو اپنے اندر اتار لینے کا نام ایمان ہے۔ جو اس یافت کے مقام تک نہ پہنچے اس کی پوری زندگی بے قیمت ہے، حتیٰ کہ اس کا بظاہر نیک عمل بھی۔ اللہ کے یہاں وہ کام مقبول ہوتا ہے جو صرف اس کی خاطر کیا گیا ہو۔ محض انسانی ہمدردی یا خدمت خلق کے جذبہ کے تحت کیا ہوا کام اللہ کو پسند نہیں۔ کیونکہ وہ آدمی کی اپنی بڑائی کی تسکین کے لئے ہوتا ہے جب کہ خدا کی اس دنیا میں خدا کے سوا کسی کو کسی بھی قسم کی کوئی بڑائی حاصل نہیں۔

اسلامی انقلاب اسلامی لوگوں کے ذریعہ آتا ہے

غزوہ بدر کے موقع پر ایک بہادر مشرک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ میں چلنے کی درخواست کی۔ مگر آپ نے اس کو قبول نہیں کیا۔ آپ نے اس سے پوچھا: کیا تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہو۔ اس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا: میں کسی مشرک سے مدد نہیں لے سکتا۔ اس کے بعد اس نے کلمہ کا اقرار کر لیا اور مسلمان ہو کر غزوہ میں شرکت کی ——— یہ پیغمبر اسلام کی سیاست تھی۔ مگر موجودہ زمانہ میں اسلامی سیاست کے ایسے قائدین پیدا ہوئے ہیں جن کا سارا انحصار غیر اسلامی طاقتوں کے تعاون پر ہوتا ہے۔ تاہم انھیں اپنی اس سیاست کے غیر اسلامی ہونے کا احساس صرف اس وقت ہوتا ہے جب کہ ان کے لائے ہوئے "انقلاب" پر غیر اسلامی عناصر قبضہ کر لیں اور ان کے اپنے حصہ میں احتجاج اور ماتم کے سوا کچھ باقی نہ رہے۔

دو آنکھیں جو عذاب سے محفوظ رہیں گی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عینان لا تمسھما النار، عین بکت من خشیۃ اللہ وعین باتت تحرس فی سبیل اللہ (دو آنکھیں ہیں جن کو جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی۔ ایک وہ آنکھ جو خدا کے ڈر سے روئے۔ دوسری وہ آنکھ جو خدا کی راہ میں چوکیداری کرتے ہوئے رات گزارے) جہاں تک عین خاشعہ کا سوال ہے، اس کا مفہوم ہمیشہ اور ہر حال میں ایک ہی رہتا ہے۔ اس کا مطلب ہمیشہ یہ رہے گا کہ آدمی کو خدا کی یاد اس طرح تڑپائے کہ اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئیں۔ مگر عینِ حارسہ کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ اسلام کی جغرافی سرحدوں کی حفاظت کرتا جس طرح اس میں داخل ہے، اسی طرح ایک بندۂ مومن کا یہ عمل بھی اس کے ذیل میں آتا ہے کہ وہ خدا کے دین پر جاہلانہ حملوں کو دیکھ کر بے تاب ہو جائے اور اس کے دفاع کے لئے علمی تیاری میں اس طرح لگا ہوا ہو کہ اس کی آنکھ کتابوں کے مطالعہ میں غرق ہو ——— کتب خانوں کی الماریوں میں اس کی آنکھ دین حق کے دفاع کے لئے مواد ڈھونڈ رہی ہو۔

بھیونڈی، مہاراشٹر کا ایک صنعتی شہر ہے جو دہلی سے ۱۶۰۰ کیلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ جمعیۃ اہل حدیث کے اجتماع میں شرکت کے لئے یہاں آنے کا اتفاق ہوا۔ ۲۴ مارچ ۱۹۷۹ء کو بھیونڈی پہنچا۔ اجتماع سے فراغت کے بعد ایک روز بمبئی میں گزرا اور اس کے بعد ۲۹ مارچ کو دہلی واپسی ہوئی۔

بھیونڈی ایک صنعتی شہر ہے۔ یہاں کا خاص کاروبار پارچہ بافی ہے۔ پاورلوم کی مشینی موسیقی شہر میں رات دن کے کسی بھی حصہ میں سنی جا سکتی ہے۔ شہر کی دیواروں پر جگہ جگہ میونسپلٹی کی طرف سے لکھا گیا ہے "اپنے شہر کو صاف ستھرا رکھئے"۔ مگر آس پاس کا ماحول آپ کو بتائے گا کہ نہ صرف شہریوں نے بلکہ خود اعلان کرنے والوں نے بھی ان الفاظ کو بہت کم قابل توجہ سمجھا ہے۔ بھیونڈی کی آبادی تقریباً تین لاکھ ہے۔ اس میں مسلم آبادی کا تناسب تقریباً ۶۵ فی صد ہے۔ تاہم تعلیم میں ان کا تناسب آبادی میں ان کے تناسب سے بہت کم ہے۔ ایک بچہ یہاں بآسانی روزگار پا لیتا ہے۔ اس لئے اکثر والدین بچہ کو تعلیم گاہ میں بٹھانے کے بجائے کارخانہ میں بھیجنا زیادہ مفید سمجھتے ہیں۔ کاروبار میں بظاہر ہر طرف مسلمان ہی مسلمان نظر آتے ہیں مگر یہاں کی کاروباری سرگرمیوں میں ان کا حقیقی حصہ مقابلۃً بہت کم ہے۔ پُرشور لوم تقریباً صد فی صد ان کے ہیں۔ تاہم پچاس فی صد سے زیادہ لوم وہ ہیں جن کی حیثیت محض "مزدور" کی ہے کیوں کہ وہ دوسروں کے دئے ہوئے سوت کو اجرت پر بُن رہے ہوتے ہیں۔ بنائی سے پہلے کا کام (سوت تیار کرنا) اور بُنائی کے بعد کا کام (مارکیٹنگ) دونوں دوسرے لوگوں کے قبضہ میں ہیں۔

یہ توکل کی عجیب و غریب قسم ہے جو موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کے حصہ میں آئی ہے۔ اسلام میں توکل کا مطلب یہ ہے کہ ظاہری اندیشوں سے بے پرواہو کر اپنے مقصد کی خاطر اپنی قوت اور اپنے مال کو خرچ کرنا۔ مگر موجودہ زمانہ میں مسلمانوں نے توکل کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ اگر بے فکری کی زندگی گزارنے کے لئے کچھ پیسے مل رہے ہوں تو زیادہ کی فکر میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔

بمبئی میں ادارۂ دعوت القرآن کے دفتر میں ایک مفصل تقریر (۲۷ مارچ) ہوئی۔ پڑھا لکھا طبقہ معقول تعداد میں جمع ہو گیا تھا۔ اس کے بعد جمعیۃ اہل حدیث بمبئی کے دفتر میں ایک تقریر ہوئی اور مسجد میں درس حدیث دینے کا موقع ملا۔ بمبئی میں مسلمانوں کے بہت سے ادارے کامیابی کے ساتھ چل رہے ہیں۔ مسجدیں عام طور پر نہایت شان دار بنی ہوئی ہیں۔ اس کی وجہ بمبئی کے مسلمانوں کا مزاج ہے۔ بمبئی کا مسلمان عام طور پر "کاروباری مزاج" کا ہوتا ہے۔ کاروبار آدمی کے اندر سادگی، اتحاد اور حقیقت پسندی پیدا کرتا ہے۔ ان کا یہ مزاج ان کے لئے کاروباری اعتبار سے بھی مفید ہوا ہے اور دینی اعتبار سے بھی۔ ایک بزرگ بمبئی میں کامیابی کے ساتھ کئی دینی ادارے چلا رہے ہیں۔ انھوں نے کہا "ہم لوگ تو یہاں اختلاف کو ترستے ہیں" بمبئی میں ایک معقول منصوبہ لے کر اٹھنے والے کو فوراً ساتھی مل جاتے ہیں جو خاموشی کے ساتھ اس کو ہر طرح کا تعاون دیتے ہیں۔ اس کے برعکس اسی ملک میں ایسے مقامات بھی ہیں جہاں کوئی منصوبہ چلانے کی کوشش کیجئے تو ساتھ کوئی نہ دے گا البتہ اختلاف کرنے والے اور رکاوٹیں ڈالنے والے بہت مل جائیں گے۔

جمعیۃ اہل حدیث کے اجتماع کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو بتایا جائے کہ دین وہ ہے جو آدمی کو قرآن و سنت سے ملا ہو نہ کہیں اور سے۔ زیادہ تر تقریریں اسی نکتہ پر مرکوز رہیں۔ راقم الحروف نے اجتماع کے علاوہ رئیس ہائی اسکول میں دو تقریریں کیں۔ نیز شہر میں بعض اور مقامات پر اہل علم افراد کی نشستیں ہوئیں جن کو خطاب کرنے کا موقع ملا۔

بھیونڈی میں ابھی تک تعلیمی اور تعمیری کاموں کی طرف نسبتاً کم توجہ رہی ہے۔ تاہم اب کچھ مسلمانوں کو اس کمی کو پورا کرنے کا احساس ہوا ہے۔ ہم نے ایک زیر تعمیر ادارہ دیکھا جو انجمن فرقانیہ کے نام سے بن رہا ہے۔ اس ادارہ میں ایک تین منزلہ مسجد بھی ہوگی۔ یہاں ایک تعلیم گاہ، چھوٹی بچتوں کو جمع کرنے کی اسکیم اور اس طرح کے دوسرے منصوبے چلائے جائیں گے۔ اسی طرح کچھ لوگوں نے دارالاخوان کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا ہے۔ اس میں ایک اسلامی دارالمطالعہ ہے۔ اس کے علاوہ غیر سودی کوآپریٹو کریڈٹ سوسائٹی کے نام سے ایک اسکیم چلائی جا رہی ہے۔ اس طرح کے اور بھی کئی ادارے زیر تعمیر ہیں جو مستقبل کے بارے میں اچھی امید کی علامت ہیں۔

مارچ کی ۲۸ تاریخ تھی اور راجدھانی اکسپرس ۱۲۰ کیلومیٹر کی رفتار سے دہلی کی طرف دوڑی چلی جا رہی تھی۔ اتنے میں سنائی دیا کہ ٹکٹ کا معائنہ کرنے والا عملہ ایک مسافر سے جھگڑ رہا ہے۔ مشکل یہ تھی کہ عملہ انگریزی میں بول رہا تھا اور مسافر کہہ رہا تھا کہ میں انگریزی نہیں جانتا۔ اس مسافر نے اپنا نام "راجندر" بتایا۔ جب کہ ٹکٹ پر اس کا نام "پرتاپ" لکھا ہوا تھا۔ مسافر نے کہا کہ میرا ٹکٹ میرے بیوپاری نے کرایا ہے، اس لئے مجھے نہیں معلوم کہ اس نے کیا نام لکھوایا۔ نام میں اس فرق کی وجہ سے عملہ نے فیصلہ دیا کہ وہ مسافر کو بڑودہ میں اتار کر پولس کے حوالے کر دے گا۔ وہاں اس کو "اپنے آپ کو ثابت کرنا ہوگا"۔ اسی طرح ایک مسافر کا نام صحیح تھا مگر کاغذ پر مسٹر کی جگہ "مسز" لکھ گیا تھا۔ اس کو فیصلہ سنایا گیا کہ اس کا ۳۴ اروپیے کا ٹکٹ اس نقص کی وجہ سے بے کار ہو چکا ہے۔ اس کو دوسرا ٹکٹ مع جرمانہ ۲۳۶ روپے میں خریدنا ہوگا —— جہاں اہم شخصیتوں (VIPs) کا معاملہ ہو وہاں خوب جانچ پڑتال ہوتی ہے، اور جب صرف عوام کا معاملہ ہو تو ان کو بھیڑ بکری کی طرح حالات کا شکار ہونے کے لئے چھوڑ دیا جاتا ہے۔

راجدھانی ایکسپرس یا ہوائی جہاز سفر کی مدت کو مختصر کر دیتے ہیں۔ مگر ایسا سفر راقم الحروف کے ذوق کے انتہائی خلاف ہے۔ یہ ایک قسم کا ڈبہ بند سفر ہوتا ہے۔ کھڑکیوں میں موٹے شیشے لگے ہوتے ہیں، اور آپ باہر کی دنیا کو صرف شیشوں کے واسطے سے دیکھ سکتے ہیں۔ مسافر کے دائیں بائیں قدرت کی دنیا پھیلی ہوئی ہوتی ہے مگر وہ اس کے براہ راست مشاہدہ میں نہیں آتی۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان شادی ہو اور اس کے بعد دونوں کو ایک ایسے کمرہ میں بٹھا دیا جائے جہاں ان کے درمیان موٹے شیشہ کی دیوار حائل ہو۔ وہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں مگر ایک دوسرے سے مل نہ سکتے ہوں —— باہر درخت کی پتیاں ہل رہی ہیں، مگر ان کی ہوائیں مسافر تک نہیں پہنچتیں۔ باہر چڑیاں چہچہا رہی ہیں مگر ان کی آوازیں ہم کو سنائی نہیں دیتیں۔ سورج کی کرنیں آسمان سے آ رہی ہیں مگر وہ مسافر کے وجود کو نہیں چھوتیں۔ ہم خدا کی کائنات میں سفر کر رہے ہوتے ہیں مگر سارا سفر اس طرح طے ہوتا ہے جیسے کہ ہم الگ ہیں اور وہ الگ۔ تمدن کی ترقی نے انسان کو فطرت کی دنیا سے کتنا دور کر دیا ہے!

موت کے کنارے

★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★

آج وہ بے وقت مجھ سے ملنے آگیا تھا اور بہت کم میرے پاس ٹھہرا۔ خلاف معمول اس نے چائے بھی قبول نہیں کی۔ "مجھے بہت جلد گھر پہنچنا ہے۔ وہاں میری بیوی میرا انتظار کررہی ہوگی" اس نے کہا اور اپنا اسکوٹر اسٹارٹ کرکے تیزی سے روانہ ہوگیا۔ اس کی واپسی کو بمشکل آدھ گھنٹہ ہوا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ اس کی بیوی گھبرائی ہوئی آواز میں بول رہی تھی "آپ کے دوست کا۔ ۔ ۔" اس نے کہا۔ بظاہر اس کا جملہ ادھورا تھا۔ مگر اس کے رونے کی آواز نے اس کو پورا کر دیا۔ میں ٹیلی فون بند کرکے فوراً اس کے گھر کی طرف بھاگا۔ معلوم ہوا کہ اس کا انتقال ہوچکا ہے۔ مجھ سے رخصت ہوکر وہ اپنے گھر پہنچا۔ ابھی سیڑھیوں ہی پر تھا کہ لڑھک کر گر پڑا۔ لوگ اٹھاکر اندر لے گئے۔ فوراً ڈاکٹر بلایا گیا ڈاکٹر نے آکر صرف یہ خبر دی کہ وہ اس دنیا سے جاچکا ہے۔

اسکوٹر پر سوار ہوکر وہ میرے یہاں سے روانہ ہوا تو بظاہر وہ اپنے گھر جارہا تھا۔ مگر حقیقۃً وہ موت کی طرف جارہا تھا۔ یہ کوئی اتفاقی واقعہ نہیں۔ اس طرح کے واقعات ہر روز اور ہر جگہ پیش آرہے ہیں۔ ۲۶ مئی ۱۹۷۹ کو امریکہ کا ایک بڑا جیٹ جہاز جس میں ۲۷۱ مسافر سوار تھے، اوہرے (O'Hare) ہوائی اڈے سے اڑا۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ زمین پر گر گیا۔ جہاز سمیت سارے مسافر جل کر راکھ ہوگئے۔ یہ معاملہ چند انسانوں کا نہیں بلکہ یہی معاملہ تمام انسانوں کا ہے۔ سارے انسان جو زمین پر چلتے اور دوڑتے ہوئے نظر آتے ہیں وہ سب موت کی منزل کی طرف جارہے ہیں۔ ہر آدمی سب سے زیادہ جس چیز کے قریب ہے وہ موت ہے۔ ہر آدمی موت کے کنارے کھڑا ہوا ہے۔ ہر آدمی ہر آن اس خطرہ میں مبتلا ہے کہ اس کا آخری وقت آجائے اور وہ اچانک اس دنیا سے اٹھاکر اگلی دنیا میں پہنچا دیا جائے، جہاں سے کسی کو واپس نہیں آنا ہے۔ جہاں آدمی کے لئے یا تو جنت ہے یا جہنم۔

ایک اندھا آدمی چلتے چلتے کنویں کے کنارے پہنچ جائے تو ہر آدمی جانتا ہے کہ اس وقت سب سے بڑا کام یہ ہے کہ اس کو کنویں کے خطرہ سے آگاہ کیا جائے۔ حتیٰ کہ ایسے نازک موقع پر آدمی قبلہ و کعبہ کی زبان اور نحو و صرف کے قواعد تک بھول جاتا ہے اور بے اختیار پکار اٹھتا ہے "کنواں کنواں"۔ مگر کیسی عجیب بات ہے کہ ساری انسانیت اس سے بھی زیادہ خطرناک "کنویں" کے کنارے کھڑی ہوئی ہے۔ مگر ہر آدمی دوسرے دوسرے کاموں میں لگا ہوا ہے۔ کوئی شخص "کنواں کنواں" پکارنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ حتیٰ کہ اگر کوئی دیوانہ اس قسم کی پکار بلند کرے تو لوگوں کی طرف سے جواب ملتا ہے ——— "یہ شخص قوم کو بزدلی کی نیند سلانا چاہتا ہے، وہ جہاد کے جذبہ کو ختم کررہا ہے، وہ حقیقی مسائل سے لوگوں کو ہٹا دینا چاہتا ہے، وہ زندگی کا پیغامبر نہیں بلکہ موت کا داعی ہے۔ وہ مایوسی اور بے ہمتی کا سبق دے رہا ہے"

لوگ کنویں کے کنارے کھڑے ہوئے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ محفوظ مکان میں ہیں۔ لوگ موت کی طرف بڑھ رہے ہیں مگر خوش ہیں کہ وہ زندگی کا سفر طے کر رہے ہیں۔

■ صدارت سے انکار

البرٹ آئن سٹین ایک یہودی سائنس داں تھا۔ اسرائیل کے پہلے صدر ویزمین کے انتقال کے بعد ۱۹۵۲ میں آئن سٹین کو اسرائیل کی صدارت کا عہدہ پیش کیا گیا مگر اس نے اس عہدہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے سفیر ابا ایبان سے کہا: "میں فطرت کے بارے میں بہت کم جانتا ہوں اور انسان کے بارے میں تو بمشکل کوئی چیز مجھے معلوم ہے۔ میں اسرائیل کی طرف سے اس پیش کش سے بہت متاثر ہوں اور اسی کے ساتھ مجھے افسوس اور شرمندگی بھی ہے کہ میں اس کو قبول نہیں کر سکتا۔ میں اپنی تمام زندگی میں موضوعی چیزوں پر کام کرتا رہا ہوں، اس لئے میں عوام سے درست طور پر معاملہ کرنے اور سرکاری امور کو برتنے کی فطری استعداد اور تجربہ دونوں سے محروم ہوں۔ میری بڑھتی ہوئی عمر نے میری قوت کو متاثر نہ کیا ہوتا تب بھی تنہا ان وجوہ سے میں اس اعلیٰ عہدہ کی ذمہ داریاں ادا کرنے کے لئے غیر موزوں تھا۔

■ تمثیل کی زبان میں

کسی سیٹھ نے خواب میں دیکھا کہ لکشمی جی کہہ رہی ہیں: "سیٹھ! اب تیرا پنیہ (نیک کام) ختم ہو گیا ہے۔ اس لئے میں چند دنوں میں تیرے گھر سے چلی جاؤں گی۔ تجھے مجھ سے جو مانگنا ہو مانگ لے۔" سیٹھ نے کہا: "کل صبح اپنے گھر والوں سے صلاح و مشورہ کر کے جو مانگنا ہوگا مانگ لوں گا۔"

صبح ہوئی تو سیٹھ نے خواب کی بات سب کے سامنے رکھی۔ کنبے میں سے کسی نے ہیرے جواہرات مانگنے کے لئے کہا کسی نے سونے کا ڈھیر۔ کسی نے اناج اور کسی نے گاڑی یا کوٹھی مانگنے کی صلاح دی۔ آخر میں سیٹھ کی چھوٹی بہو نے کہا: "پتا جی! جب لکشمی کو جانا ہی ہے۔ تو یہ چیزیں ملنے پر بھی رہیں گی کیسے؟ آپ تو محض یہ مانگئے کہ کنبے میں پیار بنا رہے۔ کنبے کے سب لوگوں میں پریم بنا رہے گا تو مصیبت کے دن بھی آرام سے کٹ جائیں گے۔"

سیٹھ کو یہ تجویز پسند آئی اور جب رات کو پھر خواب میں لکشمی کے درشن ہوئے، اس نے کہا "بولو کیا مانگتے ہو"، سیٹھ نے کہا "دیوی! آپ جانا ہی چاہتی ہیں تو خوشی سے جائیے لیکن یہ بردان دیجئے کہ ہمارے کنبے کے لوگوں میں ہمیشہ پریم بنا رہے"

لکشمی بولیں "سیٹھ تو نے ایسا بردان مانگا کہ مجھے باندھ ہی لیا۔ بھلا جس کنبے کے افراد میں پریم پیار ہے وہاں سے میں جا کیسے سکتی ہوں۔" (ڈاکٹر سی۔ آر تینجہ گوڑ گاؤں)

اہم اعلان

مولانا وحید الدین خاں کی کتابوں کے بعض عربی ترجمے (مطبوعہ قاہرہ) محدود تعداد میں مکتبہ الرسالہ کے پاس موجود ہیں جنکی تفصیل یہ ہے

۱۔ الاسلام یتحدی (ساتواں ایڈیشن)	۲۶۳ صفحات	قیمت	۲۰	روپے
۲۔ الدین فی مواجھۃ العلم (چوتھا ایڈیشن)	۱۱۲ صفحات	"	۱۰	روپے
۳۔ حکمۃ الدین (دوسرا ایڈیشن)	۸۷ صفحات	"	۸	روپے
۴۔ الاسلام والعصر الحدیث (دوسرا ایڈیشن)	۷۷ صفحات	"	۸	روپے
۵۔ مسئولیات الدعوۃ (تیسرا ایڈیشن)	۳۹ صفحات	"	۲	روپے
۶۔ نحو تدوین جدید للعلوم الاسلامیۃ	۲۶ صفحات	"	۲	روپے
۷۔ امکانات جدیدۃ للدعوۃ	۳۴ صفحات	"	۲	روپے

محصول ڈاک بذمہ خریدار — قیمت مکمل سٹ معہ محصول ڈاک ۵۵ روپے — پوری رقم پیشگی روانہ فرمائیں

عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر
دین کیا ہے
صفحات ۳۲ قیمت ۱/۵۰ روپے
تجدید دین
صفحات ۴۸ قیمت ۲/- روپے
مذہب اور جدید چیلنج
صفحات ۲۲۴ قیمت ۱۳/۵۰ روپے
تعمیر ملت
صفحات ۴۸ قیمت ۲/- روپے
الاسلام
صفحات ۱۷۶ قیمت ۱۲/- روپے
اسلام دین فطرت
صفحات ۴۸ قیمت ۲ روپے
ظہور اسلام
صفحات ۲۰۰ قیمت ۱۲/- روپے
زلزلۂ قیامت
صفحات ۶۴ قیمت ۳ روپے
اسلامی دعوت
صفحات ۴۸ قیمت ۲ روپے
تاریخ کا سبق
صفحات ۴۸ قیمت ۲/- روپے
عقلیات اسلام
صفحات ۴۸ قیمت ۲/- روپے
قرآن کا مطلوب انسان
صفحات ۸۰ قیمت ۴/۵ روپے
مذہب اور سائنس
صفحات ۷۲ قیمت ۴/-
پیغمبر اسلام
صفحات ۴۸ قیمت ۲/-
سبق آموز واقعات
صفحات ۴۸ قیمت ۲/-
مکتبہ الرسالہ جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ دہلی ۱۱۰۰۰۶